"نہ صرف اُن کے لیے جو اب والدین ہین بلکہ
نیز اُن کے لیے جو اپنی باری مین والدین ہُون گے"

تعلیم

جس مین بیان ہے کہ

کیا وجہ ہے کہ ہمارے ملک کی سال ہاے گذشتہ کی تعلیم نے وہ اعلیٰ اور مفید نتائج نہین پیدا کیے
جو ممالک یورپ کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہین

اور

کیا سبب ہے کہ مسلمانون کے اکثر لڑکے یورپ مین سائنس اور لٹریچر مین بھدے دماغ
جمود القریحہ یعنی ٹھوس طبیعت کے ہوتے ہین اور جس قدر بچپن مین تیز اور ذکی دکھائی دیتے
ہین جون جون بڑے ہوتے جاتے ہین اُن کی ذکاوت مدھم اور کند
ہوتا جاتا ہے ؟

اور نیز یہ کہ

ان شکایات کا دفعیہ کیونکر ہو سکتا ہے

مصنفہ

خاکسار سراج الدین احمد اڈیٹر سرمور گزٹ و سپرنٹنڈنٹ سٹیشنری اینڈ
پرنٹنگ آفس ریاست سرمور ناہن .

مطبوعہ ناہن 1891

تعلیم

"نہ صرف ان کے لیے جو باپ الدین ہین بلکہ
نیز انکے لیے جو اپنی باری مین والدین ہونگے"

"کیا یا ایک حیرت انگیز امر نہین ہے کہ اگرچہ بچون کے سلوک پر ان کی زندگی یا موت ان کی اخلاقی درستی
یا تباہی منحصر ہوتی ہے لیکن بچون کے سلوک کی
نسبت ان کو ایک لفظ بھی نہین
پڑھایا جاتا جو رفتہ رفتہ والدین ہونگے؟
کیا یہ حشت ناک امر نہین ہے کہ ایک نئی
نسل کی قسمت غیر معقول رواج یا کہانی
خیالات و بے دلیل تصورات کے اتفاقات پر
چھوڑ دی جا جس کے ساتھ ناواقف وجاہل
دائیون کی تجاویز اور بڑی بوڑیون اور
نائیون کے پر تعصب مشورے شامل ہوتے
ہین؟ اگر ایک سوداگر بدون واقفیت حساب
اور معاملات تجارت کے کاروبار شروع کرے
تو ہم اسکی حماقت پر ہنسین گے اور رنجیدہ نتائج کے پیدا
ہونے کے منتظر رہین گے۔ یا اگر ایک شخص علم تشریح الابدان کے جاننے کے بغیر پیشہ جراحی وطبابت
اختیار کرے تو ہم اس کی احمقانہ دلیری پر متعجب ہونگے اور اس کے مریضون کے حال پر رحم کھائینگے
لیکن اگر والدین اپنے بچون کی پرورش کا کام بغیر اصول پرورش کا ایک حرف جاننے کے شروع کردین (خواہ
وہ جسمانی اور اخلاقی ہو اور خواہ ذہنی اور عقلی) جو ان کی ہدایت کرے تو نہ ہم ایسا کرنے والون پر تعجب
ظاہر کرتے ہین اور نہ ان مظلومون کے حال پر ہم کو رحم آتا ہے"۔

ڈیڈیکیشن

بنام نامی و اسم گرامی سامی جناب وزیر الدولہ
مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر
سی۔ آئی۔ ای۔ مدظلہم
دستور اعظم ریاست پٹیالہ

باجازت شان

از

خاکسار ہیچ میرز مصنف

نوازش نامہ

جناب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر
سی - آئی - ای - دستور معظم ریاست پٹیالہ

"میرے عزیز دوست منشی سراج الدین احمد صاحب ابقاکم اللہ تعالیٰ -

تحیت و سلام - اگرچہ بہت کم فرصت تھی مگر آپ کی قابل قدر کتاب نے مجھ کو اپنا ایسا فریفتہ کیا کہ تین ہی چار روز مین اُس کو اول سے لیکر آخر تک دیکھ گیا اور جب تک ختم نہ کر چکا دل یہی چاہتا رہا کہ آخر تک دیکھ لون بس اب بڑی خوشی اور نہایت شکریے ساتھ اُس کو خدمت شریف مین واپس بھیجتا ہون - مین سچ کہتا ہون کہ آپ نے نہایت عمدگی سے اُس کو لکھا ہے - اور جو بحث شروع کی ہے اُس کو عمدگی کے ساتھ ختم کیا ہے فجزاکم اللہ خیر الجزا - مین اگرچہ اس قابل اپنے کو نہین سمجھتا کہ میرے نام سے یہ عمدہ کتاب معنون کی جاوے - مگر اس کو اپنے لیئے ایک بڑی عزت بے شک خیال کرتا ہون اور اسی لیئے آپ کی اس بڑی مہربانی کا شکر گذار ہون - پس میرا دلی شکر قبول فرمایئے -

والسلام

المرقوم ۱۲ - دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء

خاکسار

(دستخط) سید محمد حسن"

مقدمہ

جو لوگ ہمارے ملک کے سلسلۂ تعلیم و تربیت اور اُن نتائج پر جو سال ہا سال کی محنت اور صرفِ کثیر سے پیدا ہوئے ہیں غور کرتے ہیں وہ ایک نہایت افسوس ناک نتیجہ کے ظاہر کرنے میں متفق اللفظ ہو گئے ہیں۔ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب کا یہ سوال کہ

"کیا سبب ہے کہ مسلمانوں کے اکثر لڑکے یوروپین سائنز اور لٹریچر میں بمقدرے (؟) نابغ؛ جمود القریح یعنی ٹھوس طبیعت کے ہوتے ہیں اور جس قدر چھٹپن میں تیزی اور ذکی دکھائی دیتے ہیں، جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں اُن کی ذکاوت مدھم اور اُن کا ذہن کند ہوتا جاتا ہے؟"

اس مسئلے کے متعلق ایک لمبے زمانے کے تجربے کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ اس سوال میں مسلمان لڑکوں کا نام لیا گیا ہے، مگر بلا خصوصیت عام طور پر تمام ملک کی بے ثمر تعلیم کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے۔ ایک دوسرے عالم رابرٹ ہنری ایلیٹ صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

"سرکاری مدرسوں میں ہندوستانی بہت ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور تعلیم پوری ہو جانے کے بعد مدرسہ چھوڑ کر جب گھر بیٹھتے ہیں تو اُن کی لیاقت دفعۃً گھٹ جاتی ہے جیسے نئی نئی کھلتی ہوئی کلیاں پالے سے مُرجھا جاتی ہیں۔ شاید لوگوں کو یہ خیال ہو

"کہ ہندوؤن کی خلقت مین کسی خاص ایسی صفت کی کمی رہ گئی ہے جس کے سبب سے"
"وہ اور انسانون کے مانند نہین ہین۔ لیکن ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ انسان کی نیچر"
"کے قاعدے تمام دنیا مین یکسان ہین"

چند سال ہوے جب مین نے ایک اور یورپین عالم کا قول اپنے ملک کی نسبت پڑھا تھا کہ

"ان گذشتہ چھبیس سالون کی تواریخ مین ہم ایک مثال بھی اس قسم کی نہین پاتے ہین"
"کہ کسی تعلیم یافتہ شخص کے ہاتھ سے جنرل لٹریچر۔ پولیٹیکل۔ یا سائنٹفک مضامین پر کوئی"
"اصلی رسالہ یا مسودہ لکھا گیا ہو۔ نظم۔ نیچرل سائنس۔ پولیٹیکل اکانمی۔ منطق۔ فلسفہ"
"تواریخ۔ وغیرہ وغیرہ علوم وفنون کا وسیع میدان ان کی طبع آزمائی کے لیے پڑا ہے"
"اگر اختراعی مادہ ان کی طبایع مین پوشیدہ ہو۔ تو کون جانتا ہے۔ مگر ظاہر ی"
"نشان آج تک کوئی نظر نہین آیا"

اور یہ حالت ہمارے ملک کی ابھی تک تبدیل نہین ہوئی۔ علاوہ اس کے کہ آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب کا یہ سوال تھوڑا عرصہ ہوا جب کہ مشتہر ہوا تھا۔ صرف چند روز گذرے ہین کہ "پنجاب میگزین" مین مسٹر ایرک رابرٹسن۔ ایم۔اے۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور نے "فیاضانہ تعلیم" کے عنوان سے لکھتے ہوے بیان کیا تھا کہ

"مین ہندوستان کے گریجوایٹون (اعلیٰ تعلیم یافتہ) کی فہرست پر نظر ڈالتا ہون اور مجھ"
"کو صرف چھ سات آدمی ایسے نظر آتے ہین کہ انھون نے بھی فیاضانہ تعلیم کے میدان"
"مین بہت کم شہرت حاصل کی ہے۔ اور میرے دل مین یہ یقین ہے کہ ہم کو اس بات"
"کی امید کرنے سے پہلے کہ یونیورسٹیون مین سے بہت سے ایسے ہندوستانی پیدا"
"ہو جائینگے جن کی ذات مین خیال کی ایجاد۔ ارادہ کی بلندی۔ اور غور وفکر کرنے"
"کی عادت اس درجے تک جمع ہو کہ جو الفاظ ان کی زبان یا قلم سے نکلین ان کی جانب"
"تمام قومین متوجہ ہون۔ اپنے تعلیمی سلسلون اور ہندوستانی طالب علمون کے مزاج"
"دونون مین برابر ایک انقلاب کا انتظار کرنا پڑیگا"

ان کے سواے بھی جن علما نے ہندوستان کی تعلیم کے صحیح حالات سے آگاہ ہو کر اس پر

بجائے وہی ہے جن کے اقوال اکثر ہماری کتاب میں آئینگے اور جن میں کہ مارکوئس آف ڈفرن کا نام لینے میں ہم کو کوئی خوف نہین ہے، وہ ایسے ہی افسوسناک نتیجہ پر پہونچے ہیں تو ہم کو اس امر میں شبہہ کرنا اور زیادہ بحث کرنا بے فائدہ ہے کہ درحقیقت ہمارے ملک کی تعلیم نے کوئی ثمرہ نہین پیدا کیا۔

بلاشبہہ اس امر کے معلوم ہونے سے کہ ہندوستان مین تعلیم کی اشاعت مین روز بروز عمدہ ترقی ہو رہی ہے۔ جب کہ سررشتہ تعلیم کی سال ہاے گذشتہ کی رپورٹون کے باہم مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت تھوڑی تعداد سے لے کر گذشتہ سال مین طالب علمون کی تعداد چھتیس لاکھ سے زیادہ تک پہونچ گئی ہے، نہایت خوشی ہونی چاہیے۔ مگر جب ہم اس کثرت تعداد کے واسطے کسی اصلی فائدے کی امید نہین کر سکتے تو اس سے ہمارا افسوس اور زیادہ ہو جاتا ہے کہ گویا اس قدر آدمی ہمارے ملک کے ایک بے سود اور بے نتیجہ کام مین اپنے وقت اور دولت کو ضایع کر رہے ہین اور ایک بے ثمر تعلیم کے حاصل کرنے کے بجاے کسی ادنی فن کے سیکھنے مین مشغول ہونا مفید ہوتا۔ گورنمنٹ تین کروڑ روپیہ بچا سکتی۔ اور تعلیم پانے والے اور دلانے والے بھی زیر بار نہ ہوتے۔

مگر یہ خیال ہمارا صرف اس تاسف کی وجہ سے ہے جو تعلیم کے بے فیض ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ ورنہ گورنمنٹ تو ایک نیک نیت اور فیاض اور مہربان اور مہذب گورنمنٹ کی طرح اپنا فرض ادا کرنے کے لیئے آمادہ ہے اور ملک بھی اس کام سے جس کو وہ اپنے فائدے کا کام خیال کرتا ہے باز نہین رہ سکتا۔ اس مین کوئی شبہہ نہین ہے کہ ملک کی تمام امیدین اسی تعلیم کے نتایج کے ساتھ وابستہ ہین اور ہمدردان ملک بڑے شوق اور آرزو کے ساتھ ان کو دیکھ رہے ہین۔ لیکن جب نتیجہ برعکس پیدا ہوتا ہے اور اس کو نہایت افسوس کے ساتھ تسلیم کیا جاتا ہے تو ہر ایک ہمدرد قوم کا یہ فرض ہے کہ اس پر غور کرے اور بقدر امکان اس مشکل سوال کے حل کرنے مین مدد دے۔ اور ان اسباب کی تحقیق اور تلاش کرے جو ہم یورپ کی تعلیم کے عمدہ نتایج کے خلاف ایسے مضر نتایج پر پہونچاتے ہین۔ اگر ہم ایسے ہی بے سود تعلیم کے گرداب مین پڑے رہین گے تو قدیم یونانیون اور اہل عرب کی طرح ایک ہی تعلیم کے کولھو مین بندھے

تھک کر ہار جائینگے اور ترقی کے میدان مین ہمیشہ یورپ کا دست نگر اور پیچھے رہ جانا پڑیگا۔
جب ہم ہمدردان قوم کے سامنے یہ سوال پیش کرتے ہین تو وہ ہمارے شوق اور آرزو کا کچھ خیال نہین کرتے اور بعض اُن مین سے اس پر غور کرنے کی تکلیف اُٹھانے کے بجاے نہایت تیزی اور بے صبری کے ساتھ ایک دل شکن جواب دیتے ہین اور ایسے مضر نتایج پیدا ہونے کے تمام اسباب کا خاتمہ طبیعی اور ملک کی آب وہوا اور دوسرے اسی قسم کے ناقابل علاج اسباب پر کر دیتے ہین مگر اس قسم کی راے سے بے رحمی کے اظہار کے علاوہ ایک بہت بڑی غلطی دلیل کی معلوم ہوتی ہے۔ ہم کو اس وقت ان طبیعی اور اخلاقی اسباب کی تاثیرات سے بحث کرنا مقصود نہین ہے لیکن ہم کو ایسے خیالات کی غلطی کا اس درجہ یقین ہے کہ اُس کی جواب دہی کے واسطے ہم ذمہ دار ہوسکتے ہین۔ یورپ کے مشہور علما مین سے مل۔ گوگزٹ۔ مانٹسکو۔ اور ہیوم کی تحریرین جو اسی مضمون پر ہین شائقین کے مطالعہ کے واسطے سفارش کی جاسکتی ہین۔ طبیعی اسباب کی تاثیر جیسے مشکوک اور مبہم اسباب کی طرف تو ہم کو اُس وقت توجہ کرنی لازم ہے جب ہم دوسرے قسم کے یقینی اور صریح اور قابل علاج اسباب کے دریافت کرنے مین کامیاب نہ ہوسکین مگر مجھ کو یقین ہے کہ اس دوسرے قسم کے اسباب ہماری دسترس کے اندر ہین اور صرف اُس غور وتامل سے دریافت ہوسکتے ہین جو ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ نوجوانون مین نہین پیدا ہوتا۔

ہم کو اپنی اس کتاب مین سب سے زیادہ اختصار ملحوظ ہے اور کوئی لمبی تمہید نہین لکھنا چاہتے اگر مجھ سے کوئی یہی سوال پوچھے کہ ”ہمارے ملک کی تعلیم کا یہ ناقص اور افسوسناک نتیجہ کیون نکلا ہے؟“ تو مین سب سے اول ایک مختصر جواب کے دینے کے واسطے تیار ہون کہ

ہمارا ملک اصلی اور نیچرل طریقہ تعلیم سے ناواقف ہے اور یہ تمام نقصان اور شکایت اس طریقے کے خلاف عمل کرنے سے پیدا ہوئی ہے

میرا یہ جواب فاضل کالرج کے اس قول سے اخذ کیا ہوا ہے کہ

”افسوس کس قدر شالین اُن نوجوانون کی ہمارے حافظہ مین موجود ہین جو بڑی آرزو اور مصارف کثیر سے پڑھائے گئے ہین۔ معلمون سے تعلیم دلائے گئے ہین۔ واعظون سے تہذیب ونصیحت کرائے گئے ہین غرض ہر طرح اُن کی تعلیم وتربیت کی گئی ہے۔ مگر انہون“

"نے کوئی بارود وغیرہ کے جاہلانہ تمغہ کے سوا کوئی علمی وصف کا مرتبہ نہیں حاصل کیا"

"........ یہ تمام اس قاعدہ کی طرف کم توجہی کا باعث ہے جس کی نیچر ہمین"

"خود تعلیم دے رہی ہے"

لائق پسٹولونہی اور مارشل کے بجنسہ ایسے اقوال اس قول کی تائید مین موجود ہین مگر سوئٹزرلینڈ کے مشہور اور معروف فاضل فیلن برگ کا یہ قول زیادہ واضح ہے کہ

"کاہلی اور مجہولیت نوجوان بچون کی طبیعت سے کوئی نسبت او موافقت نہین رکھتی"

"خراب تعلیم کی وجہ سے یہ خرابی اور برائی بچون مین پیدا ہوجاتی ہے۔ یا ور کسی"

"جسمانی نقص کی وجہ سے وہ مجہول اور کاہل ہوجاتے ہین۔ ذاتی و اصلی چستی و چالاکی"

"جن کی طرف بچے اس قدر میلان اور رغبت ظاہر کرتے ہین صرف ان خوشیون کی وجہ"

"سے قائم رہتی ہے جو ذاتی قابلیتون کو عمدہ طریق سے عمل مین لانے سے پیدا ہو"

"سکتی ہین"

ہمارا گذشتہ اور موجودہ طریقہ تعلیم و تربیت درحقیقت نیچرل تعلیم کے قواعد کے بالکل خلاف ہے اور اس کا نتیجہ وہی ہونا چاہیے جو گول سوراخ مین چارپہلو لکڑی کے پھنسانے سے ہوتا ہے۔ اور جو نقصانات او شکایات نتائج تعلیم و تربیت کے متعلق ہمارے طالب علمون کی نسبت پیدا ہوے ہین وہ یہ لحاظ ان مضر اور ناقص اسلوبون اور طریقہاے تعلیم کے جو اصل طریقہ کے خلاف عمل مین لائے جاتے ہین کچھ بھی زیادہ نہین ہین۔ ایک شخص جب ان مروجہ طریقون اور اصلی طریقون کے فرق پر جو زمین و آسمان کی طرح ہین، غور کرتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ لوگ جس شے کو ایک عمدہ نعمت اور تریاق سمجھ کر اپنے بچون کو کھلاتے ہین، درحقیقت وہ زہر قاتل ہے جو نادانون کے ہاتھ مین اپنی اولاد کو کھلانے کے واسطے ہے۔ ایسا زہر جو جسم کے رگ و پے مین نہایت سرعت کے ساتھ پھیل جاتا ہے اور پھر اس کی تاثیر کسی علاج سے دفع نہین ہوسکتی۔

تعلیم و تربیت کے علاوہ پرورش اطفال کا طریقہ بھی ایسا ہی ناقص اور قابل اعتراض ہے اور ان ناقص اور افسوسناک نتائج تعلیم کے پیدا کرنے مین شریک مساوی ہے۔ ہمارے ملک کے بچے گویا ایک عظیم عمیق اور مہیب سمندر کے کنارے پر کھڑے ہین۔ ان کے مشفق والدین جب یہ چاہتے ہین کہ

اُن کو اُس خوفناک مقام سے ہٹا لاویں اور اپنی دانست میں ہٹا لاتے ہیں۔ تو در حقیقت وہ اُن کو سمندر میں ڈھکیل رہے ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ بجز اس کے کہ وہ غرق ہوجائیں اور کیا ہوسکتا ہے۔ فی الواقع جب وہ تمام خرابیاں اور بے اعتدالیاں جو بچوں کی تعلیم و تربیت و پرورش میں کی جاتی رہیں اکٹھی ہو کر آنکھوں کے سامنے آتی ہیں تو یہ شکایات جو پیدا ہوئی ہیں نہایت خفیف معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ وہ بچے جیتے کیونکر ہیں۔ اور اگر جی نکلتے ہیں تو بالکل دیوانہ کیوں نہیں ہوجاتے۔ وہ صحیح و تن درست اور بعض قوی جوان کیونکر نکل آتے ہیں کیونکہ والدین کی ناواقفیت اور بے احتیاطی تو اُن کی جان کو ضایع کردینے۔ دیوانہ ضعیف کمزور۔ دائم المریض اور بدچلن بنا دینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتی۔ اور اصل یہ ہے کہ اُن کی حالت کچھ بھی اچھی نہیں ہوتی۔

پس میرا کام اس کتاب میں یہ ہے کہ جو طریقے نیچرل تعلیم و تربیت اور پرورش اطفال کے ہیں اور جن کو یورپ ایک بڑے زمانے کی تحقیقات کے بعد مسلم قرار دے کر اُن پر کاربند ہوا ہے اور فائدہ اُٹھا رہا ہے اُن کو اپنی قوم اور ملک کے سامنے پیش کروں اور جو اسقام ہماری موجودہ طریقہ تعلیم و تربیت و پرورش اطفال میں پائے جاتے ہیں اُن کو کم و بیش بیان کروں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام ایسا آسان نہیں ہے جیسا کہ خیال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر اسمائیلس کا یہ قول ہے کہ "جو لوگ بچوں کی ابتدائی تعلیم میں محنت کرتے ہیں اُن کو بہ نسبت اُن کے جو کسی سلطنت کا انتظام کرتے ہیں بہت زیادہ دقت اور دشواری اُٹھانی پڑتی ہے" غالباً تعلیم کے تین بڑے حصوں یعنی ذہنی یا عقلی یا دماغی اور جسمانی اور اخلاقی تعلیم کی جو اصلیت ہم نے سمجھی ہے اور جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے وہ یہ ہے کہ ذہنی تعلیم کے معنی سر کو لفظوں سے پُر کر دینا۔ جسمانی تعلیم کے معنی بچوں کی خورد نوش کا اہتمام کرنا۔ اور اخلاقی تعلیم کے معنی اُن کی زد و کوب کا ذمہ دار ہونا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ جس طرح جسمانی خواہشات از خود پیدا ہوتی ہیں اُسی طرح ذہنی خواہشات بھی اپنے آپ سے پیدا ہوتی ہیں اور جس طرح جسمانی خواہشات کا پورا نہ ہونا نقصان اور موت لاتا ہے اسی طرح ذہنی خواہشات کا پورا نہ کرنا بھی قوائے عقلیہ کے لیئے نقصان اور موت لاتا ہے جس طرح جسمانی ضروریات سے واقف ہونے کے بغیر ہم بچوں کی پرورش نہیں کرسکتے۔ اسی طرح ذہنی ضروریات اور خواہشات کے علم کے بغیر ہم اُن کی

تعلیم کے قابل نہین ٹھہ سکتے جس طرح جسم کے قائم رکھنے کے لیئے معدہ کو ایک قسم کی غذا کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہے اسی طرح ذہن اور عقل کے قائم رکھنے اور بڑھنے کے لیئے دل کو ایک دوسری قسم کی غذا کی ضرورت اور خواہش ہوتی ہے۔ اور جس طرح معدے کی خواہش کو بروقت نہ پوری کرنے اور اُس کو غذا نہ پہونچانے سے وہ خواہش یعنی بھوک بند ہوجاتی ہے اور تمام اعضا سست پڑ کر ضعیف اور بیکار ہوجاتے ہین۔ اسی طرح دل کو بروقت غذا نہ پہنچانے سے ذہن اور عقل کی اشتہا باقی رہتی ہے اور قواے عقلی و ذہنی سست ہو کر ضعیف اور بیکار ہوجاتے ہین جس طرح جملہ خارجی قواے انسانی ورزش اور ریاضت سے ترقی پذیر ہوتے ہین۔ اسی طرح باطنی قوی بھی ورزش اور ریاضت سے ترقی پذیر ہوتے ہین اور جس طرح ریاضت کے نہ ہونے سے قواے خارجی ضعیف اور کمزور ہوجاتے ہین اور باقاعدہ ترقی نہین حاصل کر سکتے۔ اسی طرح باطنی قوی بھی ریاضت اور ورزش کے نہ ہونے سے ضعیف اور کمزور ہوجاتے ہین اور باقاعدہ ترقی سے محروم رہتے ہین۔ کوئی نہین جانتا کہ جسم انسانی ایک ادنی تمثیل مین ایک ریلوے انجن سے مشابہ ہے اور اُس کے اعضاے خارجی اور قواے باطنی سے وہی نسبت ہے جو انجن کے پُرزون کو اُس کی بھاپ (سٹیم) سے ہے۔ اگر ایک پرزہ اُس کا خراب ہوجاے اور ایک پیچ ڈھیلا ہوجاے۔ یا ایک پہیہ بگڑ جاے تو اُس کے تمام پُرزے اور بھاپ بالکل بیکار ہوجاتے ہین۔ اسی طرح اگر جسم اور اُس کے اعضا کی کما حقہ حفاظت نہ کی جاے تو کسی ایک عضو کی خرابی کا بد اثر قواے باطنی پر پڑتا ہے اور اُن کی رفتار اور ترقی کا مانع ہوتا ہے۔ اور کوئی نہین جانتا کہ ایک بچہ کا دل مانند پگھلے ہوے موم کے نرم ہوتا ہے جو ایک خاص قسم کی سرد ہوا لگنے سے پتھر کے مانند سخت ہوا جارہا ہوتا ہے۔ اور جس قدر نیک و بد نشان اُس نرمی کی حالت مین نہایت سہولیت سے اُس پر قائم ہوجاتے ہین وہ سنگ خارا ہوجانے پر کسی کوشش سے بھی نہین مٹ سکتے۔ اور یہ کہ انسان کا دل مانند ایک گورنر کے ہے جو اپنی استعداد قابلیت اور واقفیت کے مطابق اعضاے خارجی پر حکومت کرتا ہے اور وہ مانند مطیع اور فرمان بردار رعایا کے اُس کے حکام کی اطاعت اور فرمان برداری کرتے ہین۔

انھین گذشتہ سطور پر غور کرنے سے کسی قدر یہ امر سمجھ مین آجاے گا کہ جو لڑکے بچپن مین تیز اور ذکی دکھائی دیتے ہین بڑے ہوکر اُن کا ذہن کند اور ذکاوت مدھم کیون ہوجاتی ہے۔

ہم اس بارے مین بھی چند الفاظ کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ طریقہ تعلیم کی یہ خرابی ہم مین کب سے اور کیون کر پیدا ہوئی ہے اور آیا کسی وقت مین عمدہ طریقہ ہاے تعلیم بھی ہماری قوم مین موجود تھے ؟ اس کا جواب یہ ہوگا کہ نہین۔ اس سے پیشتر کبھی اصول تعلیم اور طریقہ ہاے تعلیم کی نسبت کوئی تحقیقات کرنے یا اُس کے نیک و بد پر غور کرنے کی طرف توجہ نہین کی گئی تھی۔ پروفیسر علامہ شبلی نے بھی "مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" مین اس مضمون پر توجہ کی ہے لیکن آخر اقرار کرنا پڑا ہے کہ "طریقہ درس وغیرہ کے حالات مجھ کو کسی مستقل تصنیف مین نہین ملے اور شاید لکھے بھی نہین گئے"۔ اُن کے نہ لکھے جانے کی وجہ سوا اس کے کچھ نہین ہوسکتی کہ اس کی اہمیت اور ضرورت کی طرف اُن کی توجہ اُس نہین ہوئی۔ لیکن ہم اپنے ہان کی موجودہ تعلیم اور اُس کے طریقون سے اُن گذشتہ طریق کی صورت کا ایک قریبی اندازہ کرسکتے ہین۔ کیون کہ گو اُن کے معنی اور اغراض کم و بیش ہر زمانے مین تبدیل ہوتے گئے ہون لیکن اصل صورت مین ہمارے مستقل مزاج مقلد ہونے کی وجہ سے کوئی ایسا عظیم تغیر نہین واقع ہوا اور نہین ہوسکتا۔

امرا اور دولت مند فرقہ کی تعلیم کا تو شاید یہی حال رہا ہے کہ وہ تھوڑی بہت تعلیم اپنے ہی گھرون پر دلواتے جاتے تھے۔ زیادہ شائقین تعلیم شہر بہ شہر اور ملک بہ ملک پھر کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بڑے بڑے شہرون مین مدارس العلوم اور یونیورسٹیان اور ایک زمانے مین عام مدارس کثرت کے ساتھ قائم ہو گئے تھے لیکن اُن کے طریق درس اور نصاب تعلیم کے عمدہ ہونے کا ہمارے پاس کوئی ثبوت موجود نہین ہے۔ عام تعلیم کا حال ابتدائی اور آخری ایام مین اور ہندوستان مین ہمیشہ کے لیئے یہ رہا ہے کہ مساجد اور خانقاہون کے درس گاہون اور علما کے گھرون پر ہوتی تھی۔ اور کوئی غرض نہ تھی جو اس تعلیم سے وابستہ کی گئی ہو۔

تعلیم کا عام نہ ہونا بھی ایک بہت بڑا باعث ان نقصون کے رہ جانے کا ہوا ہے اور اس عام نہ ہونے کو کسی ایک بواعث سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ آبائی پیشون کی پے روی اگو کم سختی کے ساتھ ضروری خیال کی گئی تھی۔ یا ایک عام دستور ہونے کی وجہ سے کی جاتی تھی۔ [illegible] کی اصلاح کی جانب کبھی سلطنت نے بھی توجہ نہین کی بل کہ عہدون اور خدمات کو بھی موروثی قرار دے کر اس کو زیادہ جمات دلائی جاتی تھی۔ اعلی علوم ہمیشہ شاہی تخت کے پاؤن کے نیچے رہتے تھے اور اُن کی اشاعت

ہمیشہ انھین کے حالات اور خیالات سے وابستہ رہتی تھی اُن کی قدردانی یا تو ملک مین علم کا چرچا زندہ رکھتی تھی یا اُن کی برگشتگی اور عدم قدردانی لاکھوں بیش بہا کتابوں کو کتب خانوں اور گھروں سے نکلوا کر جلوا دیتی تھی جن کا قلمی وجود گویا ہمیشہ کے لیئے ضایع ہوجاتا تھا۔ فن چھاپہ سے جو کرامت آج اشاعت علوم مین دکھائی ہے اُس وقت کی دنیا اس سے محروم تھی۔ اور سب سے بڑا باعث عدم اشاعت و تعمیم علوم کا خود اُن علوم کے ذاتی اوصاف تھے۔ اعلیٰ علوم کی تحصیل ان کی نظری فوائد کی بنا پر کی جاتی تھی اور اُن کی ذات سے براہ راست کوئی عملی فائدہ نہین حاصل ہوتا تھا حالانکہ انسان فطرۃً جلب منفعت اور طلب فوائد کے لیئے حریص بنایا گیا ہے۔ اگر شاہان وقت اور امرائے عظام کی قدردانی اس ضروری غرض کا پورا کرنا اپنا فرض نہ سمجھتی تو ہم علوم کو اس بلندی تک پہونچا کبھی نہ دیکھتے جہان تک کہ وہ اس زمانے مین پہونچ گئے تھے۔ تعلیم کی اغراض کی نسبت کو ہمیشہ مسلمانون مین یونانیون کی تقلید سے غلط فہمی پھیلی رہی ہے۔ لیکن یہ اس کی حد ہے کہ "جب ماوراءالنہر کے علما کو نظامیہ کے قائم ہونے کے تمام حالات سے اطلاع ہوئی تو سب نے ایک مجلس ماتم منعقد کی اور اس بات پر روئے کہ اب علم علم کے لیئے نہین بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لیئے سیکھا جائے گا۔"* تو غلط فہمی کے اس حد درجے تک پہونچ جانے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ آیندہ ہم کو ایسی تعلیم کی حالت کی نسبت کیا امید کرنی چاہیئے۔ اور اصل یہ ہے کہ صرف مذہبی اغراض تھے جنھون نے تعلیم کی اور علوم کی حمایت کی ورنہ اور کوئی فائدہ اس تعلیم سے حاصل ہوتا نہین دکھائی دیتا جس کو اُس کے قائم رکھنے کا باعث تصور کیا جائے۔

تعلیم کے اصول اور اُس کے اصلی اغراض اور مقاصد سے جب ایک شخص واقف ہوگا۔ اور پھر ان سطور کے مضمون پر جو ہم پروفیسر شبلی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں غور کرے گا۔

"اعلیٰ تعلیم کے لیئے دور دراز مسافتون کا طے کرنا اور متعدد اہل کمال کی خدمت مین پہونچ کر فائدہ اٹھانا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا مشہور اہل فن کی لائف چھان ڈالو ایک شخص بھی ایسا نہ ملے گا جس نے تکمیل تعلیم کے لیئے دو چار سو میل کی مسافت طے نہ کی ہو۔ اس زمانہ مین ایک مشہور فاضل جو سفر کی زحمت اٹھا۔ بغیر اپنے فن مین نامور ہوا ہو اُس زمانے کے لوگ ہمیشہ اُس کو"

---

* مسلمانون کی گذشتہ تعلیم از پروفیسر شبلی صفحہ ۲۹۔

"حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے"

تو معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر گمراہی میں وہ گرفتار تھے۔ اور اصلیت کا کوئی کھوج او نشان نہ پا سکے تھے۔ اعلیٰ تعلیم کا نتیجہ صرف الفاظ کی بحث کرنا اور خود بے کار ہو کر دوسرون کی لمائی پر بسر کرنا ہوتا تھا۔

یہی اور ایسے ہی امور تھے جو طریقۂ درس کی عمدہ ترتیب اور قواعد تعلیم کے باقاعدہ انضباط کے مانع چلے آئے ہین۔ اخلاقی تعلیم کا ڈھنگ بھی اگر ہم موجودہ طریق سے اس کا کچھ اندازہ کر سکتے ہین تو کچھ عمدہ نہ تھا۔ اور جسم کی طرف سے تو خود وہ علوم ہی بے پروائی سکھلانے والے تھے اس لیے جسمانی تعلیم کا وجود ہی اُس تعلیم مین نہین پایا جاتا۔ پس ہم کو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب مین ہم تینون قسم کی تعلیم کا بیان کرین یعنی ذہنی یا عقلی اور جسمانی یا بدنی اور اخلاقی تعلیم کا ان تینون کو ہم تین ابواب مین بیان کرین گے۔

اس مقام پر مین اس کتاب کے لکھے جانے کے کچھ زیادہ حالات بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہون۔ دراصل یہ کتاب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب کے انعامی مضمون یا سوال کے جواب مین ۱۸۹۵ء کے وسط مین لکھی گئی تھی جو شروع دیباچہ مین مین نے درج کیا ہے۔ اگرچہ اس وقت تک اُس جواب مضمون کا کچھ فیصلہ نہین ہوا اور اس طرح پر اس کتاب کو شایع کرنا دہب خیال کیا گیا۔ مگر کتاب سے فائدہ اُٹھانے والون کے شکریہ کے مستحق ہر حال مین سر سید احمد خان صاحب ہی ہین۔ کیون کہ "الدال علی الخیر کفاعلہ" مشہور ہے۔

اُس جواب مضمون کو اس طرح پر چھاپ دینے کی وجہ بعض بزرگ اصحاب اور معزز احباب کی تحریک اور تاکید ہوئی ہے۔ اُس کے بعض حصون کے سر مور گزٹ مین طبع ہونے پر لائق اشخاص کی قدر دانی نے مجھ کو یقین دلایا کہ مین نے بے فائدہ محنت نہین کی۔ جناب مولوی الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ اُن سے کسی شخص نے سملہ مین دریافت کیا کہ بچون کی تعلیم و تربیت وغیرہ کی نسبت جو شکایات ہین وہ کیون کر رفع ہو سکتی ہین۔ تو اُنھون نے جواب دیا کہ سرمور گزٹ مین جو سلسلۂ مضامین تعلیم پر چھپتا ہے اُس کو پڑھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ جناب موصوف نے اور مولوی سید احمد صاحب دہلوی اور بہت سے معزز احباب نے مجھ کو لکھا کہ ان مضامین کو یکجا

چھاپ کر شایع کرنا چاہیے۔ حال آن کہ وہ مضامین بالکل ناکمل اور غیر مربوط تھے۔ اور ایک خاص زمانے مین دفع الوقتی کے واسطے چھاپ دیے تھے۔ میرے حالات نے مجھ کو صرف اس دقت اجازت دی ہے کہ مین اُس ارشاد کی تعمیل کرون اور کتاب کو اس نئی ترتیب سے چھاپون اور اس جواب مضمون اور اس کتاب مین اتنا فرق ہے کہ اُس کے دیباچہ مین طبعی اسباب کی تاثیر کے مسئلہ پر بہت مفصل بحث کی گئی تھی۔ اور آخر مین مسلمانون کی مذہبی تعلیم کی بحث مین ایک باب تھا۔ یہ دونون حصے اس کتاب مین سے بغرض اختصار خارج کر دیے گئے ہین اور صرف تین باب یعنی دماغی جسمانی و اخلاقی تعلیم کے اس کتاب مین چھاپے گئے ہین۔ دماغی تعلیم کے باب کے دو حصے سمجھنا چاہیئے۔ پہلے حصے مین اسی قسم کی تعلیم کے اصول اور اُن عیوب کا بیان ہے جو ہمارے موجودہ طریقہ تعلیم مین پائے جاتے ہین اور دوسرے حصہ مین اُن طریقون کا جو اہل یورپ نے اپنی اولاد کی تعلیم کے واسطے قرار دیے ہین۔ اور تیسرے باب یعنی اخلاقی تعلیم کے آخر مین مذہبی تعلیم کا اس قدر ذکر کیا گیا ہے جو ان تین ابواب کے مضامین سے متعلق ہو سکتا ہے۔ پہلے باب کے دوسرے حصے کے متعلق مین نے جواب مضمون مین ایک نمونہ اُس قسم کے نصاب یا کورس کا لکھا تھا جو بچون کی ابتدائی عمر یعنی تین برس سے آٹھ برس کی تعلیم کے واسطے چاہیئے۔ مگر اس کتاب سے مین نے اُس کو خارج کر دیا ہے اور یہ ارادہ ہے کہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی تجویز کے مطابق اس نصاب کو جداگانہ طور پر لکھون مگر اُس کا لکھا جانا اس کتاب کی کامیابی پر منحصر ہے۔

مین اپنی اس کتاب کے لکھنے مین مشہر ہربٹ سپنسر صاحب کی کتاب ”ایجوکیشن“ کا خاص کر مشکور ہون اور اسی شکر گذاری کے اظہار کے واسطے مین نے اپنی کتاب کا نام ”تعلیم“ رکھا ہے اگرچہ مین نے اپنے بیان کے ثبوت اور تائید مین اور مختلف علما و عقلا کے اقوال جا بجا تحریر کیے ہین لیکن اگر اس پر بھی مجھ کو یہ معلوم ہو کہ مین نے ان مشکلات کا جواب دینے مین غلطی کی ہے تو مجھ کو صرف اس امر کا اطمینان کافی ہے کہ جو فرض قوم کا ایک ناچیز ممبر ہونے کا میرے پر ہے اُس کو مین نے ادا کر دیا ہے۔ اس عمدہ زمانے مین جب کہ تحریک کا مادہ ایسا زبردست جمع ہو چکا ہے ہر ایک شخص کا فرض سوائے اس کے کچھ نہین ہے کہ اپنی وسعت کے موافق جو اُس سے ہو سکے پیش کرے۔ اور بس۔

تعلیم

ابرست و بہار است و ہوا ہم مزہ دارد
برخیز کہ لغزیدنِ پا ہم مزہ دارد

خاکسار سراج الدین احمد

ناہن - ریاست سرمور
۲۰ - جولائی سنہ ۱۸۹۱ء

پہلا باب
ذہنی و عقلی تعلیم

حصہ اول

جب ہم دیکھتے ہین کہ مختلف زمانون مین تعلیم کی اغراض اور مقاصد مختلف خیال کیے گئے ہین اور تعلیم کی علت غائی کے سوال کا مختلف طور پر جواب دیا گیا ہے (مثلاً (۱) قدیم اہلی دانے تعلیم سے انسان کو مرد میدان اور لائق اہل شہر بنانا مقصود سمجھتے تھے۔ یعنی وہ اس قابل ہو جاے کہ ملکی اور خانگی صلح و جنگ کے تمام کامون کو انصاف اور سلیقے سے کر سکے۔ سسرو۔ سینیکا۔ اور کوئن ٹی لی ان کے رسالے کا جو کامل آدمی کی تعریف پر لکھے گئے ہین اسی پر شاہد ہین (۲) یونانی تعلیم کا مدعا انسان کے باطن کو اعلی درجے پر پہونچانا تھا یعنی انسان کو ایک حکیم اور جنگی سپاہی بنانا تھا سکندر اعظم کے زمانے تک صرف علم موسیقی اور ورزش جسمانی ہی اُن کے نصاب تعلیم مین داخل تھی۔ (۳) مسلمانون نے جسمانی تعلیم کو خود قدرت کی تعلیم پر چھوڑ دیا تھا۔ اور تعلیم کا منشاء صرف انسان کے قواے باطنی کی تہذیب اور تکمیل خیال کی تھی۔ (۴) من ٹینی صاحب کے خیال مین تعلیم کا منشا صرف دو ہی لفظون 'حکمت' اور 'عفت' مین پورا ہو جاتا ہے۔ (۵) ملٹن صاحب کی راے مین تعلیم کا منشا انسان کو خدا سے مشابہ بنانا ہے جس کو عام اصطلاح مین 'ولی' یا 'دیوتا' کہا جاتا ہے (۶) لاک صاحب کی راے مین صحت بدنی عفت نیک اطواری۔ اور علم تعلیم کا منشا ہے (۷) ہربرٹ سپنسر صاحب کی راے مین کامل زندگی بسر کرنا منشاے تعلیم ہے۔ پرشین نیشنل سنڈ نامی کمیٹی کے بانیون کے خیال مین انسان کے قوی کا باقاعدہ بڑھنا تعلیم کا منشا ہے (۹) مل صاحب کی راے ہے کہ جو کچھ ہم اپنے لیئے کرتے ہین اور جو کچھ اور لوگ ہمارے واسطے کرتے ہین اس خیال سے کہ ہم اپنی فطرت کے کمال کے نزدیک تر پہونچا مین وہ سب کچھ تعلیم مین داخل ہے) تو اس سے ہم یہ معلوم کرنے کے قابل ہو جاتے ہین کہ ان مختلف زمانون مین انسان مین کس قسم کی تعلیم حاصل کرنے کی قابلیت خیال کی گئی ہے۔ کیونکہ کوئی ایک چیز کسی ایسی چیز کے لیئے تجویز کی جاتی ہے جس سے

اس کا مناسب ہونا خیال کیا جاے - آج کا فیصلہ گو مختلف لفظون مین کیا گیا ہو مگر جو اعتدال
اور صحت ایک مین پائی جاتی ہے وہی دوسرے کے شامل حال ہے مسلمانون نے جو جواب
اس اہم مسئلہ کا تجویز کیا تھا وہ زیادہ تر ناقص تھا اور اسی نقص کی ایک خاصیت تھی کہ وہ انسانی
طبائع کی مناسبت ساتھ تعلیم کے اور تعلیم کے مختلف مدارج کی کیفیت کو کما حقہ نہ سمجھ سکے جس نے
طبعی تعلیم کے رموز سے انھین آشنا ہونے دیا - گو وہ زمانہ مسلمانون کا اپنا زمانہ تھا اور کسی کو ان
کے ساتھ برابری کرنے کا نہ تو حق حاصل تھا اور نہ یہ جرات ہی تھی مگر اصلیت اسی قدر تھی کہ - ع -

کرتا ہے شوق کام ہماری دلیل کا

اُن کی طبائع کی تیزیان ایک پُرجوش اور پُرطوفان سمندر کی طرح لہراتی اور زیر و زبر کے
کرشمے دکھاتی ہی جا رہی تھین - ان کی قوت ہی تمام کامیابی کا قانون تھا لیکن جب ہوا کا رُخ
تبدیل ہو گیا اور طبیعتون سے وہ جوش کم ہو گئے تو اس خرابی نے سر اٹھایا جو طبعی تعلیم کی حقیقت
کے نہ سمجھنے اور اسی وجہ سے اغراض تعلیم کے فیصلے مین دھوکا کھانے سے ایک نہ ایک وقت پیدا
ہونے والی تھی - خود یہی بات کہ انسان کس قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے قابل بنایا گیا ہے اغراض
و مقاصد تعلیم کا عقدہ اس پر حل کر دیتی ہے -

انسان کے خارجی اعضا جس طرح قابل ترقی و نشو و نما بنائے گئے ہین اسی طرح اس کے باطنی قوی
اور جس طرح ایک قانون ان اعضاے خارجی کی محافظت اور راہ نمائی کرتا دکھائی دیتا ہے - اسی
طرح ان قواے باطنی کی یعنی یہ ہر دو باقاعدہ طور پر بتدریج ایک خاص مناسبت سے بڑھتے اور
ترقی کرتے ہین جس طرح سے بعض عوارض ایک کو صدمہ پہونچاتے ہین - اسی طرح دوسرے کو -
اور جس طرح ایک کو ان مین سے کسی ناواجب غیر معتدل اور خلاف قاعدہ سلوک کرنے سے نہایت
زبون خرابیون کا متحمل ہونا پڑتا ہے - اسی طرح دوسرے کو - وہی قانون ہم کو بتاتا ہے کہ جسم کے
خارجی اعضا اور اندرونی قوتون مین کیسا ربط اور اتحاد قائم کیا گیا ہے - اور کس طرح ایک پر دوسرے کا
انحصار ہے - غرض یہی ان کی مشابہت - ارتباط و [illegible] کی ذات کا قانون [illegible] تمام اسرار
سچی حکمت کے پوشیدہ ہین اور سچا اطمینان اور یقین اسی سے پیدا ہوتا ہے

خارجی اعضا کے نمو اور ترقی کا قانون جس طرح صاف اور سیدھا ہے اسی طرح باطنی قوی کے نمو

اور ترقی کا ہے۔ کیونکہ یہ بھی اُن کا ایک وصف ذاتی ہے کہ وہ اپنی تعلیم آپ کرتے ہیں۔ مگر جیسے کہ مختلف زبانوں میں اُس کے سمجھنے میں کوتاہی واقع ہوئی ہے یا اعتدال کی حدود کا نشان نہیں مل سکا۔ اسی طرح مسلمانوں پر بھی یہ مسئلہ لاینحل رہا ہے اور جو طریقہ اُنھوں نے اس بارے میں اختیار کیا ہے وہ اُس قاعدے کے بالکل برخلاف تھا جس کی نیچر خود تعلیم کر رہی ہے۔ پس اُن کا لازمی نتیجہ جو کچھ کہ ہونا چاہیے تھا وہ وہی ہے جو آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے یا ہماری کتاب کا مضمون ہے۔

اب ایک مثال لو۔ ایک لڑکا گہوارے میں جھول رہا ہے یا ایک کھٹولی پر لٹایا ہوا ہے اُس کے سرہانے کھڑے ہو کر دیکھو کہ وہ کیا کرتا ہے۔ پاؤں کو اٹھا اٹھا کر مارتا ہے۔ ٹانگوں کو سیدھا کر کے پھر گھٹنے اٹھا لیتا ہے۔ کبھی اس طرف کو گرا دیتا ہے اور کبھی اُس طرف کو۔ ہاتھوں کی حرکت بھی جاری ہے وہ نیچے اوپر ادھر اُدھر جا رہے ہیں بعض اوقات تمام بدن اُس کا حرکت کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اُس کا بڑا بھائی لڑکے کو اس حالت میں دیکھ کر اپنی ماں سے پوچھتا ہے کہ اماں جان ننھا کیا کر رہا ہے۔ ماں تو ایسا جواب دے گی جو اس دماغی تحریک کے فائدے کو جو اس سوال کے پوچھنے کا باعث ہوئی ہے ضایع کر دے گی۔ البتہ وہ گہوارے میں جھولنے والا بچہ نشو و نما ۔ اعضاء کے قانون سے آگاہ ہے اور بتا سکتا ہے کہ میری ماں نے مجھے ابھی دودھ پلا کر لٹایا ہے میں اُس کے ہضم کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں۔ میرا معلم مجھ کو سکھلا رہا ہے۔ اسی سے میرا جسم بڑھے گا اور ہاتھ پاؤں مضبوط ہوتے جائیں گے۔

تھوڑی دیر اور کھڑے ہو کر دیکھیے کہ وہ بچہ اب کیا کرتا ہے۔ اُس کے ملے ہوئے لب کھل جاتے ہیں وہ مسکرا دیتا ہے۔ پھر لب اُس کے بند ہو جاتے ہیں اور پیشانی پر شکن پڑ جاتی ہے۔ اب دیکھو وہ پھر مسکرا دیا۔ آنکھوں کی طرف دیکھو۔ اُس کی بے قرار نظر کچھ تحیّر سے ملی ہوئی کس بے صبری اور تیزی کے ساتھ ایک چیز سے دوسری پر اور دوسری سے تیسری پر پڑ رہی ہے تھوڑی دیر ہوئی اور اُس نے کچھ باتیں کرنا شروع کیں پھر انگوٹھے کو ہاتھ میں لے کر چوسنے لگا اور منہ سے ایک طرح کی آواز نکل رہی ہے بعض وقت باتیں کرتا ہوا اُچھلتا ہے منہ کھول کر اور ہاتھ پھیلا کر کسی چیز کو پکڑنا چاہتا ہے پھر رہ جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر اُس کا بڑا بھائی ماں سے پھر پوچھتا ہے کہ ننھا کیا کر رہا ہے۔ ماں کا جواب

جو شیطان اور فرشتون کی ایک حکایت کی صورت مین دیا جاتا ہے چھوٹے بڑے اور خود مان تینون کو نقصان پہونچاتا ہے۔ مان آیندہ تکالیف اور رنج کی امیدوار بنائی جاتی ہے بڑے بیٹے کی اخلاقی تربیت خراب ہوجاتی ہے اور چھوٹے کے عقلی قواے جو ایک ضرورت ظاہر کر رہے تھے نہ پورے ہونے سے افسردہ ہوجاتے ہین۔

جس طرح بچہ کو جسمانی غذا کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اس کو وہ روکر یا کسی اور طریق سے ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اس کے عقلی اور ذہنی قویٰ کو اپنے قسم کی غذا کی خواہش معلوم ہوتی ہے جس کو وہ اپنے چہرے کی متغیر حالتون اور منھ اور آنکھون کی حرکتون سے ظاہر کرتا ہے۔ لیکن نہ کوئی اس کا منشا سمجھتا ہے اور نہ اس کی پرواہ کرتا ہے۔ اگر سمجھتے ہین تو یہ کہ فرشتے گھر مین آگئے ہین۔ دنیا مین جس قدر بھوت پریت آسیب۔ چڑیل اور تمام نہ نظر آنے والی چیزون کی پیدایش ہوئی ہے وہ اسی قسم کے مواقع پر پیدا ہوئی ہے کہ جہان کوئی شے غیر معمولی طور پر واقع ہوتی دکھائی دی اور جہان ایک واقعہ کے معنی اور اصلیت نہ سمجھ مین آئی وہان کوئی بھوت یا کوئی اور شے مثل اس کے دل کی تشفی کے واسطے پیدا کر لی جاتی ہے اب دیکھنا چاہیے کہ بچہ کے قواے عقلیہ مین جب کہ ایک قسم کی اشتہا پیدا ہوئی ہے اور جس قسم کی غذا کی اس کو خواہش ہے اگر وہ نہ پوری کی جاے گی تو اس سے کیا نقصان ہوگا۔ یہ بات بآسانی سمجھ مین آ سکتی ہے کیونکہ دو مشابہ خواہشین اس کو پیدا ہوتی ہین جو سمجھ مین آنے والا نقصان ایک قسم کی خواہش کے نہ پورا کرنے سے پیدا ہوتا ہے اسی قسم کا کوئی نقصان دوسری خواہش کے نہ پورا کرنے سے ہوگا۔ اگر بچے کو جسمانی غذا نہ دی جاے تو اس سے اس کا جسم ترقی کرنے سے رہ جاے گا۔ یہان تک کہ وہ ضایع ہوجاے گا۔ اسی طرح اس کے عقلی قویٰ بھی اپنی غذا کے نہ ملنے سے صدمہ پذیر ہون گے۔ اگر اس کا تمام مدار اس کے محافظین کی احتیاط پر ہوتا۔ تو کچھ شک نہ تھا کہ بچے پیدا ہونے سے چند روز بعد ہی دیوانہ اور مفقود الحواس ہوجاتے مگر اس بے نقص قانون نے بچے کی ان قوی کو ایک حد تک اپنا معلم آپ بنایا ہے اور وہ اپنے آپ سے کم و بیش تعلیم حاصل کرتے جاتے ہین جس سے ان کا قیام اور ترقی متصور ہوتی ہے

بعض لوگون کا یہ خیال ہے کہ والدین کا خواندہ یا تعلیم یافتہ ہونا یا کسی ایک معنی مین شریف ہونا ان کی اولاد کی طبایع اور قواے عقلیہ پر کچھ پیدایشی اثر رکھتا ہے لیکن میری راے مین اس کی اصلیت یہی ہے جو مسٹر سنرتن کے اس قول کی ہے کہ حضرت آدم کا قد ایک سو بیس فیٹ۔ حوا کا ایک سو

فیٹ۔ حضرت نوح کا سو فیٹ۔ حضرت ابراہیم اور موسیٰ کا اڑتالیس اور تیرہ فیٹ تھا مگر وہ نقص جو کسی عضو کی ساخت مین رہ جاوے۔ بچہ جب تک اپنی ماں کے شکم مین ہوتا ہے وہ عرصہ اُس کے اعضا اور قوی کی ساخت کے لیئے ہے نہ کسی قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے۔ وہ ایک معدوم یا مختلف حالت سے انسانی شکل اختیار کرنے کے لیئے ترقی کرتا ہے مگر وہ ترقی اُس کی ساخت کی تکمیل تک محدود ہوتی ہے قوائے عقلیہ اگرچہ اپنی ذات مین ترقی کرنے کی قابلیت رکھتے ہین۔ مگر وسیلہ اُس ترقی کا اُن کا تحسس ہے جو اُن حواس کے خارجی اسباب کے ساتھ مقابلہ پر آنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی حواس خمسہ انسان کے وہ پانچ دروازے ہین جن سے وہ ہر شے کا علم حاصل کرتا ہے۔ باصرہ سامعہ۔ لامسہ۔ ذائقہ۔ شامہ۔ ان مین سے پہلی تین قوتین ہین جن سے بچہ کام لیتا ہے کیونکہ اُس وقت وہ صرف مادی اشیا کا تصور بہت آسانی سے کرتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض حکمانے ان قوتون کا نام قوائے حیوانیہ رکھا ہے۔ پس جب تک ان حواس کے عمل کرنے کے اسباب ان کو نہین ملتے ہین یہ کسی قسم کی ترقی قوائے عقلیہ کے لیئے نہین کر سکتے ہین۔ نیز انسان کے قوی کی ترقی بتدریج اور آہستہ آہستہ ہوتی ہے یعنی ابتداءً اُن مین ادراک اشیا اور حصول تصورات کا مادہ نہین ہوتا جو ہماری آنکھون کے سامنے پیدا ہو کر کام شروع کرتا ہے اور دن بدن ترقی کرتا جاتا ہے یہان تک کہ باقاعدہ ترقی کرنے سے وہ اپنے اعلی مدارج پر پہونچ جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کو اپنی ماں کے پیٹ مین قوائے عقلیہ کے متعلق کوئی فائدہ کسی قسم کا اُٹھانے کا موقع نہین ملتا اور نہ اُس کی والدہ کا خون ہے جو کوئی خاص ترکیب اُس کے دماغ کی یا کوئی اور اخلاق اُس کے قوی مین پیدا کر سکتا ہو تمام فائدہ اُس شرافت اور تعلیم یافتگی کا اُس تعلیم اور تربیت مین داخل ہے جو وہ اپنی اولاد کو دے سکتے ہین۔ یورپ کے سب سے مہذب ملک مین سے کسی اعلی درجے کے فاضل اور شریف شخص کے ایک پیدا ہوئے بچہ کو افریقہ کے ایک وحشی گھرانے مین چھوڑ دیا جاوے اور اُس گھرانے کے ایک بچے کو اُس شریف گھر مین مقام دیا جاوے پہلا تعلیم و تربیت کے بغیر رہ کر ضرور ہے کہ وہی وحشیانہ عادات سیکھ جاوے گا اور دوسرا تعلیم و تربیت پاکر اُس مہذب ملک کا ایک جگمگاتا ہوا ہیرا بن جاوے گا۔ آج ہماری آنکھون کے سامنے جو تماشا ایک یورپین اور یوریشین مین کیا جاتا ہے وہ اسی تعلیم و تربیت کے لحاظ سے کیا جاتا ہے جو ہندوستان مین اور انگلستان مین مختلف صورتون مین حاصل کی جاتی ہے یا سوسائٹی کے ان حالات کا

اثر ہے جو انگلستان اور ہندوستان مین اس درجے کا اختلاف رکھتے ہین۔ البتہ سن تعلیم یافتگی پر پہونچ کر بچون کی طبایع مین ایک اختلاف نظر آتا ہے۔ وہ اختلاف اس ابتدائی تعلیم و تربیت۔ پرورش اور سلوک اور ان عوارض کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے جو اس عمر تک بچہ کو پیش آتی ہین۔ اور اسی مین کچھ اختلاف شریفانہ اسباب اور کم درجے کے وسائل کا شامل ہے۔ اس سے بڑھ کر اختلافات کی مثالین اس قدر کم ملین گی کہ ہم ان کو ایک کلیہ قاعدہ مین خارج نہین خیال کر سکتے۔ کیونکہ ہم یہ بھی جانتے ہین کہ چمکدار موتی اور جلا کیا ہوا ہیرا آخر باہمی مشابہت پیدا کر لیتے ہین۔ انسان کی تمام چیزین کسبی ہین پیدائشی کوئی نہین۔ صرف قوت اکتساب اس کا اصلی جوہر ہے۔ ایک واقعہ مشہور ہے کہ شاہنشاہ اکبر کو اس بات کے معلوم کرنے کا شوق پیدا ہوا کہ زبان انسان کی اصلی چیز ہے یا کسبی۔ اس غرض کے لیے آپ نے کچھ چھوٹے بچون کو جنگل مین چھوڑ دیا اور چند گونگی دایان ان کی پرورش کو مقرر کر دین جب وہ پرورش پا کر بڑے ہو گئے تو دربار شاہی مین لائے گئے۔ وہ آپس مین جو باتین کرتے تھے وہ غائین۔ بائین۔ شائین کے قسم کی تھین۔ یعنی جنگلی کوون اور جانورون کی آواز جو ان کے کان مین پڑتی تھی وہی ان کی زبان ہو گئی۔ یون بھی ہم جان سکتے ہین کہ کیا زبان اور کیا دوسری اشیا کا علم سب انسان کی کسبی چیزین ہین۔ ان مین پیدائشی کوئی نہین ہے اور اس کے تمام علم و عقل کا مدار اس کی تعلیم و تربیت پر ہے۔ اگر اعلی اوصاف انسانیت کے حاصل ہو سکتے ہین تو انھین کی عمدگی سے اور اگر کوئی خرابی یا نقص پیدا ہو گا تو انھین کی خرابی یا نقص سے۔ تو ہمارے لیے صرف اپنے ہان کے موجودہ طرز تعلیم و تربیت کے نیک و بد کو دیکھ لینا کافی ہے۔

مین کہہ آیا ہون کہ بچون مین قواے عقلیہ اور قوت ادراک اشیا کا مادہ بتدریج ترقی کرتا ہے۔ اور یہ ترقی سن طفولیت یعنی اسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ بچہ گہوارے مین جھول رہا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سمائلس کا قول ہے کہ "ہر شخص کی تعلیم اس کی شروع پیدائش سے ہونی چاہیے۔ کیونکہ انسان جب دنیا مین سب سے پہلے پہل اپنا قدم رکھتا ہے تو وہ بالکل معصوم ہوتا ہے اور اپنی پرورش و تعلیم مین دوسرون کا محتاج۔ اور جس وقت سے کہ اس کی پہلی سانس شروع ہوتی ہے اس وقت سے تعلیم کی بھی ابتدا ہو جاتی ہے" ایک عورت نے اپنے مذہب کے پیشوا سے اپنے بچے کی تعلیم کا وقت پوچھا جو صرف چار برس کا تھا اس نے جواب دیا کہ " بیگم صاحب اگر آپ نے اس وقت تک اپنے بچے کی تعلیم نہین کی تو چار برس بالکل ضایع

گزارے جس وقت سے بچہ مسکرانا شروع کرے اُس وقت سے اُس کی تعلیم و تربیت کا موقع حاصل ہے
ملٹن کا قول ہے کہ جس طرح صبح ہونے سے دن کی ابتدا ظاہر ہوتی ہے اُسی طرح لڑکپن کے وقت
انسان کی آیندہ زندگی کا حال مستنبط ہوتا ہے پس جس قسم کی ابتدا مین تعلیم ہوتی ہے اُس کے مطابق
نیکی اور بدی ذہن نشین ہو جاتی ہے جو مدت العمر قائم رہتی ہے۔ جب بچہ مان کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے
تو گویا وہ دنیا کے پھاٹک تک ابھی پہونچا ہے کہ آنکھ کھولتے ہی اُس کو اپنے گرد صدہا قسم کی عجیب و غریب
چیزین نظر آتی ہین جن پہلے تو اس کی صرف حیرت انگیز نگاہین پڑتی ہین لیکن رفتہ رفتہ وہ اُن عجائبات
کو غور سے دیکھنا خیال کرنا مقابلہ کرنا سیکھتا ہے۔ اور تب اُس کے دماغ مین خیالات و تصورات پیدا ہونے
شروع ہوتے ہین لارڈ بروھم کا قول ہے کہ جس قدر ضروری چیزین در اصل چار برس کے سن مین
بچہ سیکھ لیتا ہے اُس قدر وہ اپنی بقیہ زندگی مین بھی نہین حاصل کر سکتا۔ اسی عام طفولیت مین جو معلومات بچون
کو حاصل ہو جاتی ہین اور جو خیالات دماغ مین متمکن ہو جاتے ہین وہ اس قدر قوی الاثر ہوتے ہین کہ اُن کو
کالعدم فرض کر لینے کے بعد بھی کسی کیمبرج یا اکسفورڈ کے ڈگری یافتہ کی قابلیت اُن کے سامنے کچھ
حقیقت نہین رکھتی۔ مسٹر سکاٹ کی نسبت مشہور ہے کہ اُس کو شاعری کا شوق اپنی مان کے اشعار
سننے سے اُس وقت ہوا جب کہ وہ ایک حرف پڑھنے کے لائق بھی نہ تھا۔ عام طفولیت مثل ایک ایسے آئینہ
کے ہوتی ہے جس مین آیندہ زمانے کی وہ شبیہین ظاہر ہوتی ہین جو ابتدا مین قائم کی جائین۔ لیکن ہم نے
اس بات کی مطلق پرواہ نہین کی جاتی ہے۔ بچہ کو گہوارے سے نکال کر خدمت گار مردون یا عورتون
یا کسی رشتہ دار کے سپرد کر دیتے ہین جو دن کا اکثر حصہ اس کو کھلاتے پھرتے ہین۔ اس صحبت سے جو
تعلیم حاصل کرنے کی اُس کو توقع ہونی چاہیے اُس کو سب جانتے ہین یہان تک کہ وہ بولنا سیکھ جاتا
ہے اور میٹھی میٹھی باتین کرنے لگتا ہے۔ اگر اس زمانے تک اُس کے قوائے عقلیہ کی اشتہا متحرک ہونے سے
بہ وجہ عدم پرورش کے رہ نہ گئی ہو تو اپنی اس قبیل کی خواہشین زبان سے ظاہر کرتا ہے مگر اس کو کوئی اہم بات
خیال نہین کرتا صرف اُس کی بات کو سُن لینا اُن کی دل چسپی یا کسی قدر تعجب کا باعث ہوتا ہے۔ مین نے
اپنے عزیزون مین ایک چار برس کا بچہ دیکھا ہے جو ہمارے گھر کے سبزہ احاطہ مین کھیلنے کے لیے گھر سے
نکل آتا ہے جب وہ مجھ کو باہر دیکھتا ہے تو دوڑ کر میرے پاس آجاتا ہے اور مختلف قسم کے پھولون اور
پودون کے پتے توڑ کر میرے پاس لے آتا ہے اور پہلے اُن کے نام پوچھتا ہے اور پھر اُن کی خوبصورت

وضع کی نسبت پوچھتا ہے کہ یہ اس طرح کیون بنائے گئے۔ مین اس کی سب باتون کا مناسب جواب دیتا ہون بعض اوقات مجھ کو نہایت حیرت ہوتی ہے جب کہ کسی ایک خود رو جنگلی پودے کا نام مین نہین بتا سکتا تو وہ مجھ کو بتا دیتا ہے۔ اسی طرح کسی وقت وہ دو خوب صورت پتون کو لا کر ان کے باہمی فرق پر مجھ سے بحث کرتا رہتا ہے۔ عموماً مین اس کو پھولون اور پودون کے اندر پھرتا ہوا دیکھتا ہون بعض وقت مین ان کے نام اور حالات سے اس پر سوال کرتا ہون تو ایسے صحیح جواب دیتا ہے کہ مین حیرت مین رہ جاتا ہون لیکن اگر وہ اسی قسم کی باتین اپنے والدین کے سامنے کرے اور اسی طرح کے سوال ان سے پوچھے تو وہ اس کو شوخی اور بے حیائی خیال کرتے ہین اور اگر کسی وقت اس کے سوالات پر بار خاطر ہوتے ہین یا اس قسم کی باتون سے زیادہ تنگ آتے ہین تو حد درجہ کی شوخی سمجھ کر اسے پیٹ دیتے ہین۔ تعلیم و تربیت کے وہ نام کے دشمن ہین۔ انگریزی مدرسہ مین بچہ کا پڑھانا تضیع اوقات خیال کرتے ہین۔ اس بچہ کی حالت دیکھ کر مجھے رنج ہوتا ہے اور اس کی بدقسمتی پر افسوس کرتا ہون کہ اس کو خدا نے کیسے گھر مین پیدا کیا ہے مجھے دن بدن اس کی صورت مسکین اور خاموش ہوتی جاتی دکھائی دیتی ہے۔ اگرچہ بعض اوقات اس کی قدرتی برانگیختگی پھر اس کو اپنے دل چسپ شغلہ کی طرف لے آتی ہے۔ لیکن اس کے والدین کا یہ سلوک کچھ دنون تک اس کی طبیعت کی اس شگفتگی کو اس نازک کنول کے پھول کی طرح جس پر دوپہر کی کڑی دھوپ پڑی تھی اور کسی نے اس کی حفاظت اور خبر گیری نہین کی تھی پژمردہ بنا کر چھوڑ دے گا۔ اور اس سوال کا ایک جواب تجویز ہو جائے گا کہ ہمارے بچے کیون ابتدا مین ذکی اور ذہین ہوتے ہین اور جون جون بڑے ہوتے جاتے ہین ان کی ذکاوت مدھم اور ذہن کند ہوتا جاتا ہے۔

یہی حال تمام گھرون کا ہے۔ جن لوگون مین تعلیم کا چرچا ہے وہ بچے کو ایک خاص عمر مین تعلیم کے قابل خیال کرتے ہین یعنی سات یا آٹھ برس کی عمر مین۔ اس وقت تک وہ اس کی جسمانی پرورش اور گاہ گاہ ذہن و تو کے سوا اور کوئی فرض اپنے متعلق نہین خیال کرتے۔ اس بات کا تو ان کو پتہ ہی نہین لگا کہ بچون کی بعض پوشیدہ قوی نہایت رحم ناک حالت مین ان کے سلوک پر رو رہے ہین۔ وہ آدمی کے بچے سے مثل گھوڑے یا گدھے کے بچے کے سلوک کرتے ہین جس کو ایک خاص وقت تک صرف پرورش کرنا اور کھلانا ضروری خیال کیا جاتا ہے اور پھر اس پر زین یا بوجھ لادنا شروع کرتے ہین۔ سات آٹھ برس مین جب کہ وہ بچہ قابل تعلیم خیال کیا جاتا ہے تو وہ یہ نہین سوچتے کہ یہ قابلیت تعلیم حاصل کرنے

کہین ایک دن مین اُس کے مغز پر نہین ٹوٹ پڑی ہے اور تمام مادہ جمع ہو کر ایک ہی رات مین اس کے سر مین نہین گھس گیا ہے۔ آخر اس تمام عرصہ مین وہ اس قابل ہوا ہے کہ باضابطہ یا مستقل تعلیم حاصل کر سکے تو بچہ کی ابتدائی عمر بھی کسی قسم کے علم حاصل کر لینے کی قابلیت رکھتی تھی۔ بچہ کی ابتدائی عمر کو انھون نے کوئی ایسی چیز ہی نہین سمجھا جو اُن کی کسی قسم کی توجہ کے قابل ہو یہی ایک سبب ہے کہ ناقص ہم نہ پایا جاتا ہے کہ آج جس کو وہ بچہ دیکھتے ہین کل اُس کے باپ ہونے کا خیال اُن کے ذہن مین نہین آتا۔

یہ بتانا ہمارے اس باب کی دوسری فصل کا مضمون ہوگا کہ اس عمر مین بچہ کو کس قسم کی اور کس طرح سے تعلیم دینا چاہیے۔ اب ہم یہ دیکھتے ہین کہ جو عمر بچہ کی قابل تعلیم خیال کی گئی ہے اور جب کہ ان کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے اُس وقت اُن کے سر پر کیا کیا گذرتی ہے۔ پہلے وہ محلہ کے میان جی کے سپرد کر دیے جاتے ہین تاکہ مذہبی تعلیم حاصل کرین۔ اگر کسی غریب کا یا بدقسمتی سے خود لڑکا غریب الطبع اور حلیم ہے تو میان جی نے اپنے ناتراشیدہ شکنجہ مین اس کو کھینچا۔ قانون فیس اور حق خدمت کا یہ ہے کہ میان جی کو اول قاعدہ اور پہلے پارہ پھر نصف سپارہ اور پھر ہر ایک سپارے کے ختم پر ایک روپیہ یا دو روپیہ یا جیسی اُس کے والدین کی حیثیت ہو دیا جاسکے۔ تو میان جی اب اُس کے سر مین لفظ ٹھونسنا شروع کرتے ہین اور ہر وقت یہی خیال ہین کہ سپارہ کل کا ختم ہوتا آج ہی ختم ہو جاسکے۔ صبح سورج نکلنے سے وہ پڑھنا شروع کرتے ہین چٹائیون پر خمیدہ کمر ہو کر بیٹھتے ہین پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہل ہل کر اور پکار پکار کر جس قدر زیادہ کا کم ہے یا کم چلاتا ہے اُسی قدر کم پڑھنے والا اور نالائق خیال کیا جاتا ہے۔ جہان کسی لڑکے نے تھک کر کوکے ہوئے کلاک کے پنڈولم کی سی حرکت بند کی۔ یا گلا پھاڑ پھاڑ کر تنگ آکر خاموش ہو گیا تو میان جی کی لمبی چھڑی جو اپنے شاگردون کے حلقے کی مناسبت سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ بے خبر اُس کی پیٹھ پر پڑی جس سے اُس بد حواس نے پھر زور زور سے چلانا اور ہلنا شروع کیا۔ گویا گھنٹہ کو از سر نو کوک دیا گیا ہے۔ جو دو تین گھنٹون تک اُسے متحرک رکھ سکے گا۔ گیارہ بجنے پر میان جی نے لڑکون کو رخصت دے دی۔ قیدخانہ سے اگر پانچ سالہ قیدی رہا ہو تو اس خوشی سے کبھی گھر نہ آتا ہوگا جس طرح وہ بدبخت بچہ قید مکتب سے رہائی پا کر گھر آتا ہے۔ بعض بچون کو تو تین گھنٹہ کی رخصت مل جاتی ہے جس عرصہ مین وہ کھانا کھا کر کچھ کھیل سکتے ہین۔ یا سو سکتے ہین اور بعض کے لیے یہ وقت لکھنا سیکھنے کے لیے مقرر ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر وہ لکھنے چلے جاتے ہین۔ پھر جہان دو بجے۔ جمعدان بغل مین دبایا اور اُسی خوفناک چہرہ میان جی کا

چرسانا ہوا۔ اس وقت کے گئے ہوے بچے شام کو گھر آتے ہین۔ مذہبی تعلیم کا یہ مروج طریقہ ہمارے ملک مین ہے۔ اور غریب اور غریب الطبع لڑکے اس طرح پڑھائے جاتے ہین۔ ایک قسم بچون کی اور ہوتی ہے جن کو اُن کے ماں باپ کی ابتدائی تعلیم یا نوکرون اور خدمت گارون کے ناز و محبت نے پہلے سے شوخ اور بے ادب کر دیا ہوتا ہے۔ وہ میان جی کو بھی اُستادھو کر کرتے ہین۔ خواہ مکتب مین پڑھین خواہ گھر پر۔ جہان میان جی سے بگڑے ایک تھپڑ اُس کے منھ پر جما یا اپنا جوتا اُٹھا کر اُس کے سر پر مارا اور گالیان دیتے ہوے گھر بھاگ گئے۔ مگر ایسے لڑکے عموماً کم ہوتے ہین۔ سب سے بڑا گروہ تو اُن لڑکون کا ہوتا ہے جو پہلے قسم کے سلوک کے متحمل بنائے جاتے ہین

اسی طرح اور سیکڑون خرابیان ان مکتبون کی تعلیم مین پائی جاتی ہین مگر تمام جزدی امور کا ہم اس جگہ ذکر نہین کر سکتے۔ قریباً ہر ایک شخص اس تعلیم کے ڈھنگ سے واقف ہے وہ باقاعدہ طریق سے آگاہ ہو کر خود مقابلہ کر سکے گا اور دیکھ سکے گا کہ کس درجہ ناقص اور مضر تعلیم ان درسگاہون کی ہے۔

ہمارے سرکاری مدارس کی تعلیم بھی کچھ تو عمدہ اصولون پر مبنی نہ تھی اور کچھ اُس پرانی تعلیم کے دلدادہ اور شائق اپنی طرف سے اور خرابیان اُس مین ایزاد کرتے جاتے ہین۔ گورنمنٹ نے آزمائشاً یہ طریق تعلیم کا ملک مین پھیلایا تھا۔ اور گورنمنٹ ملک مین کسی قسم کی عمدہ تعلیم کے قواعد نہین رواج دے سکتی جب تک کہ لوگ خواہش نہ ظاہر کرین۔ یا کم سے کم اُس قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے تیار نہ ہو جائین۔ اور تعلیم کی موجودہ صورت اور مدارس کے انتظام نے تو بالکل اب عوام پر اس بات کا تصفیہ چھوڑ دیا ہے کہ جس طرح کی تعلیم وہ مفید اور اپنے حسب حال خیال کرین حاصل کرین۔ ان مدارس مین بھی بغیر بچہ کی عمر۔ حالت طبیعت وغیرہ کے لحاظ کے معمولی چھ یا سات گھنٹہ تک سب کو تعلیم پانا ہوتا ہے۔ بعض پڑھانے کے مشتاق یا ترقی و نیک نامی کے خواہان اُستاد زائد وقت مین بھی لڑکون کو پڑھاتے ہین۔ اور چھوٹے بچون کی نسبت تو عموماً یہ دیکھنے مین آتا ہے کہ جب وہ مدرسہ سے پڑھ کر گھر آتے ہین تو والدین اُن کے جو بچون کا کھیلنا کودنا نہایت ناپسند کرتے ہین اُس وقت مین کسی میان جی کے پاس بھیج دیتے ہین اور کہتے ہین کہ کچھ تھوڑا بہت پڑھ آے گا تو غنیمت ہے یہ فائدہ تو ہوگا کہ لڑکا بے کار کھیلنے سے بچے گا اور بعض لوگ جو بچون کو بہت جلد پڑھا ڈالنے کے مشتاق ہوتے ہین وہ گھر مین اُستاد مقرر کرتے ہین جو مدرسے سے زائد وقت مین وہان بچون کو پڑھاتا رہے۔ غرض اُن کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ جو کچھ

بچہ کو معمولی طور پر چھ برس مین پڑھتا ہے اگر وہ دو یا تین ہی برس مین پڑھ ڈالے تو پڑھانے کا فرض ادا ہو جاے۔ ایک بات۔ اور جلد کما کھانے کے لائق ہو جاے تو دوسری

مگر افسوس ہے یہ کہ ایسا کرنے سے اور ان سب باتون سے وہ بچون پر نہایت بے رحمی کر رہے ہوتے ہین۔ وہ بچون کو مانند ایک کاٹھ کی تیلی کے سمجھتے ہین کہ جس قدر چاہا اُس کو نچا لیا جب اپنے ہاتھ تھک گئے اس کو چھوڑ دیا۔ تیلی کا نہ تو کچھ گھستا ہے اور نہ اُس کو تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بے جان لکڑی کی تیلی ہے۔ اس بے زبان بچے کے اندرونی قویٰ کی خاموش آواز جو کچھ کہہ رہی ہے اُس پر کوئی نہین کان لگاتا۔ اور اُس کو کوئی نہین سُنتا قانون حیات کا ایک عام قاعدہ ہے کہ تمام ذی حیات اُسی وقت تک اپنے بچون کی پرورش کے ذمہ وار ہوتے ہین جب تک کہ وہ نسل اپنے ماں باپ کے اپنی ضروریات کے لیئے خود سامان مہیا کرنے اور آیندہ بچون کی پرورش کرنے کے اسی طریق پر قابل نہ ہو جائین۔ نباتات مین چھوٹے پودے جلد پرورش پا کر تیار ہو جاتے ہین۔ لیکن بڑے درخت جن کے بیج کئی ایک تھون مین ہوتے ہین۔ بہت عرصہ کی پرورش۔ احتیاط اور حفاظت چاہتے ہین۔ وہی شخص اُن کی پرورش اور حفاظت کر سکتا ہے جو اُن کے علم سے واقف ہو۔ مناسب طور سے اور ضرورت کے موافق وہ اُس مین کھاد ڈالتا ہے۔ اُس کی بیماری کا علاج کرتا ہے۔ اور خشک ہو جانے یا سوکھ کر رہ جانے سے اُس کو بچاتا ہے۔ جانورون مین سب سے چھوٹے جانور بہت جلد کامل ہو جاتے ہین بڑے جانور جن کے رگ و پٹھے زیادہ ہوتے ہین وہ بہت عرصہ تک اپنے والدین اور پرورش کنندون کی امداد حفاظت اور توجہ کے محتاج ہوتے ہین۔ اگر یہ استعمال مین لائے جانے والے جانور ہون مثلاً گھوڑا تو اُن کی اچھی پرورش ایک واقف شخص ہی کر سکتا ہے۔ ناواقف تو ایک یا دوسری طرح اُس کی جان ضائع کر سکتا ہے۔ اس بات کا اُس کو لالچ ہوتا ہے کہ بچھیرا اگر بہت کھانے کو ملنگے تو دے دیا جاے مگر کسی طرح وہ جلد سواری کے قابل ہو جاے۔ مگر جو فہمیدہ اور واقف اشخاص ہوتے ہین وہ جائز وقت سے پہلے اُس پر زین نہین ڈالتے اور جب اُس سے سواری لینا شروع کرتے ہین تو بڑی عقلمندی سے۔ ایک دن اُس کو چند قدم پھرا کر باندھ دیتے ہین۔ دوسرے دن اُس سے زیادہ۔ اور تیسرے دن اُس سے زیادہ۔ علیٰ ہذا القیاس وہ ابتدا مین اُس کو اسی قسم کی مشق کراتے ہین جس سے اُن کا کوئی مطلب حاصل نہین ہوتا صرف اُس کے اعضا مضبوط اور قوی ہوتے جاتے ہین۔ یہان تک کہ آخر وہ

اُن کی سواری وغیرہ کا کام دینے کے لیئے بالکل تیار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح چھوٹے بچے جو زبان نہین رکھتے۔ باجوزبان کہ وہ رکھتے ہین اُن کی ضروریات ظاہر کرنے کے ناقابل ہوتی ہے۔ مثل ایسے ہی جانوردن کے ہوتے ہین اور اُن کی پرورش کا قانون جاننا بھی شاید سب سے زیادہ ضروری اور اہم ہے۔ اُن کی جسمانی پرورش کی نسبت تو ہر شخص جانتا ہے کہ وہ پہلے دودھ سے پرورش پاتے ہین پھر دوسرے کے ہاتھون کھانا کھلائے جاتے ہین یہان تک کہ وہ خود کھانا سیکھتے ہین۔ وہ پڑنے سے بیٹھنا نہین سیکھتے جب تک کہ اُنہین بہ تدریج نہ سکھایا جاے۔ بیٹھنے سے اُٹھنا نہین سیکھتے جب تک کہ آہستہ آہستہ اُن کو نہ عادی بنایا جاے۔ اسی طرح وہ چلنا بھی نہین سیکھ سکتے جب تک کہ وہ دوسرے کے سہارے سے چلنا نہ سکھلائے جائین لیکن اس چلنا سیکھنے اور سکھلانے کا سب سے بڑا راز یہی ہے کہ پہلے دن ایک قدم۔ دوسرے دن دو قدم۔ اور تیسرے دن تین۔ اور اسی طرح رفتہ رفتہ وہ بڑھائے جاتے ہین۔ اگر ایک ہی دن مین یا چند ہی روز مین اُس کو تمام محلہ یا بازار کی سیر اُسی کے پاؤن چلا کر دکھانے لے جاے گا تو ہنستا ہوا گھر نہ آے گا۔

لیکن جس بات کے بخوبی ذہن نشین کرنے اور عمدگی سے سمجھ لینے کے لیئے ہم نے یہ تشبیہ بیان کی ہے وہ قواے ذہنی یا قواے عقلیہ کا قانون ہے۔ اُن کی عمدہ اور باقاعدہ تربیت کرنا ہر ایک ناواقف شخص کا کام نہین ہے۔ آخر وہ انسان کا وہ جوہر ہے جس مین انسان کی انسانی فضیلت داخل ہے جو جسمانی ضروریات کی طرح نہ تو نظر آتے ہین اور نہ بچے کی زبان اُن کے بیان کرنے کی قابلیت رکھتی ہے۔ البتہ جو صاحب ہوش ہین اور اُن ضرورتون کو اُسی صورت مین سمجھتے ہین جس مین کہ وہ خود اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہین وہ اس اہم فرض کے پورا کرنے کی لیاقت بوجہ احسن رکھتے ہین۔

ہماری اس گذشتہ تشبیہ سے غرض یہ تھی کہ جس طرح اُن اعضاے جسمانی کی طاقت رفتہ رفتہ اور بہ تدریج بڑھتی ہے اور روزانہ مشق اور ریاضت سے ترقی کرتی ہے اور یہ کہ اس ابتدائی مشق سے کسی قسم کی ... سوا ... اس کے ... مقصود نہین ہوتا کہ اعضا مضبوط ہون اور ... غرض ... پورا کرنے کے قابل ہون جس غرض کے لیئے کہ وہ بنائے گئے ہین اسی طرح عقلیہ قوتٰین بھی ... بڑھتے اور ترقی کرتے ہین اور کسی مشق یا ریاضت کے متحمل ہونے کی قابلیت پیدا کرنے ... کی قدر و قدرت کا اندازہ نہ کیا جاے اور اسی اندازے کی مناسبت سے اُن پر بوجھ ... نہ ... جاے تو نتیجہ

وہی ہوگا جو جسم کے ساتھ اس قسم کی بے احتیاطی کرنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی وہ قویٰ بجائے شگفتہ اور ترقی پذیر ہونے کے مرجھا جائینگے اور ضعیف ہو جائینگے۔ فاضل سپنسر کا قول ہے کہ طبیعت بھی اُن تمام چیزون کی طرح جو ترقی پذیر ہین غیر معین باتون کی طرف رجوع کرتی اور ترقی پذیر ہوتی ہے اور دیگر اعضاے جسمانی کی طرح دماغ بھی کہین بالغ عمر مین جاکر کامل ہوتا ہے اور اُس کے اعمال بھی باندازہ اُس کی خامی کے نادرست و خام ہوتے ہین پس جیسے کہ بچون کی ابتدائی گفت وگو اور حرکات ناقص ہوتی ہین۔ ویسے ہی اُن کے خیالات اور معلومات بھی ناقص اور بے ٹھکانے ہوتے ہین اور جیسے کہ آنکھ سب سے پہلے صرف روشنی اور تاریکی مین تفاوت معلوم کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ اور پھر بتدریج ایسی آنکھ بن جاتی ہے کہ مختلف قسم کے رنگون اور اُن کی کمی بیشی اور مختلف قسم کے نقوش اور اشکال کو نہایت درستی سے پہچان سکتی ہے۔ ایسا ہی **عقل** کا حال ہے کہ بہیت مجموعی ہر ایک طبعی قوت کی مدد سے اول تو دنیاوی چیزون اور کامون مین نہایت ہی خام طور سے تمیز کرسکتی ہے اور پھر نہایت عمدگی سے اُن کی حیثیت وغیرہ تمیز کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ پس ہماری فہرست مضامین تعلیمی اور طریقہ تعلیم بھی بعینہ اسی عام قاعدے کے موافق ہونے چاہیین۔ یہ بات کہ بچون کی خام اور ناتجربہ یافتہ طبیعت مین ادق خیالات اور غور طلب باتین پیدا کی جائین قابل عمل نہین۔ ایسا کرنا بہت ناپسندیدہ ہوگا۔" اس سے بھی بڑھ کر اگر غور سے دیکھا جاے تو معلوم ہوتا ہے کہ بچون کے اعضاے خارجی اور قواے باطنی کے درمیان قدرت نے اس قسم کا رشتہ قائم کیا ہے کہ ایک پر دوسرے کا مدد ہے تو دونون بالمقابل اس طرح سے ترقی کرتے ہین کہ ایک دوسرے کی ترقی کے اسباب پیدا کرنے مین معاون اور راہ نما ہوتا ہے۔ اس وقت تک ٹانگین چلنے کے لیئے اسی قدر مضبوط ہو جاتی ہین جس قدر کہ آنکھین دیکھنے اور عقل قیاس کرنے اور حافظہ یاد کرلینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ہماری موجودہ تعلیم مین کوئی لحاظ اس امر کا نہین کیا جاتا کہ بچون کو اسی قدر تعلیم دینی چاہیئے جس قدر کہ اُن کا دماغ آسانی برداشت کرے اور جس سے اُن کو فرحت اور راحت حاصل ہو۔ ہر ایک جوان آدمی جو دماغ کے متعلق کوئی کام کرتا ہے ہر وقت اس بات کی آزمائش کرتا ہے کہ اگر چند مقررہ گھنٹون مثلاً تین چار۔ پانچ سے زیادہ کام اپنے دماغ سے لینا چاہے تو وہ نہین دے سکتا طبیعت تھک کر رہ جاتی ہے اور کام چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ زیادہ کام لینے کی اگر دلیری کرے گا تو دماغ چند روز تک اس افراط کا متحمل ہوگا۔ اور

بغیر معمولی برداشت سے بھی اُس کو جواب دے دے گا۔

پس جب یہ کیفیت بچہ اور قوی دماغون کی ہے تو اس نسبت سے جو بے رحمی بچون پر کی جاتی ہے اُس کا نتیجہ سوائے خلل دماغ کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ ایک شخص کہے کہ ہم بچون کو اگر اُس ڈھنگ پر تعلیم دیتے ہین تو وہ اس کو برداشت کر جاتے ہین۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ جہان تک تعلیم کو دماغ اور عقل کے ساتھ تعلق ہے اس تعلیم سے سوائے نقصان کے کوئی فائدہ نہین حاصل ہوتا البتہ زبان حرکت کیے جاتی ہے۔ قوائے عقلیہ کے عمدہ حصون پر اُس کا کوئی اثر نہین پڑتا۔ یہان تک کہ رفتہ رفتہ وہ اسی روش کے عادی ہو جاتے ہین۔ دماغ بے کار اور زبان چالاک ہو جاتی ہے۔

دوسری بات مین نے یہ کہی ہے کہ تعلیم اُن کی راحت اور فرحت کا باعث نہین ہوتی۔ یعنی انسان اور مطلق حیوانات مین یہی فرق ہے کہ اول الذکر کے قوائے عقلیہ تعلیم و تربیت اور ترقی کے قابل ہین اور دوسری کے نہین ہوتے تو گویا تحصیل علم کی خواہش بچون مین ایک قدرتی خواہش ہوتی ہے اور تمام قدرتی خواہشات کا پورا ہونا راحت اور فرحت بخشتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ تعلیم اس قبیل سے ہو جو بچون کی راحت و فرحت کا باعث ہو نہ کہ رنج و کلفت کا۔ جو حال کہ ہماری موجودہ تعلیم کا ہے مرکاتب وہ اس مین پڑھنے جانا بچون کو یہان تک دشوار اور ناپسند ہوتا ہے کہ وہ گھرون سے بھاگ جاتے ہین۔ پڑھنے سے اُن کو نفرت ہو جاتی ہے۔ ماں باپ کو اور اُستادون کو وہ اپنا دشمن خیال کرتے ہین لیکن جب بہ مجبوری اُن کی خواہشین اپنی مرضی کے خلاف اُن کو پوری کرنی پڑتی ہین تو اس سے کوئی عمدہ نتیجہ حاصل کرنے کی توقع کرنا بجائے خود حماقت ہے۔ فاضل سپنسر کا قول ہے کہ "من جملہ اُن تغیرات کے جو دربارہ تعلیم ظہور پذیر ہو رہے ہین مدرسین اور والدین کی یہ خواہش کہ تحصیل علم کو باعث راحت و فرحت بنایا جائے نہ کہ موجب کلفت۔ نہایت ضروری بات ہے۔ اس خواہش کی بنیاد اس خیال پر ہے کہ بچے جس کام کو دل سے پسند کرتے ہین وہ بہر حال اُن کے لیئے فائدہ مند ہوتا ہے اور جو بالجبر کرایا جاتا ہے اُس سے مخالف نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ عام رائے یہ ہے کہ کسی خاص قسم کی واقفیت حاصل کرنے کے لیئے رغبت و خواہش کا ظاہر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خواہندہ مطلوبہ تعلیم و واقفیت پر حاوی ہونے کی قابلیت رکھتا ہے اور برعکس اس کے مجوزہ تعلیم سے اُس کا متنفر ہونا یا اُس کو ناپسند کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کتاب علم کو یا تو یہ مضمون بذات خود پسندیدہ نہین ہے یا ایسے طریقے سے پڑھایا جاتا ہے کہ وہ اُس پر قادر نہین

ہو سکتا۔ اور اسی لیئے ناپسند کرتا ہے بنا بر علیہ اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ تعلیم ابتدائی کو تفریح بخش بنایا جاے اور بالعموم ہر ایک قسم کی تعلیم دلچسپ و مفید ہو جاے اس وجہ سے کھیل کود کی قدر و قیمت کے بارے مین تقریرین سنائی جاتی ہین۔ اور پریون وغیرہ کی کہانیون اور بچون کے پالنے والی دایہ کی لوریون اور گیتون کو جن سے بچون کو خوش کیا جاتا ہے قائم رکھنے کی خواہش و کوشش کی جاتی ہے اور اب روز بروز اہالیان سرشتہ تعلیم کی تجاویز متعلقہ تعلیم کو نوجوان طالب علمون کی خواہش اور رغبت کے مطابق قائم کرتے جاتے ہین اور ہمیشہ یہ خیال رکھتے ہین اور پوچھتے ہین کہ آیا اس قسم کی تعلیم بچون کو پسند آے گی یا کسی دوسری قسم کی؟" تو اب۔۶۔

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ہمارے ملک مین کوئی ان باتون کا خواب بھی نہین دیکھتا۔ تو انجام اس کا کیا ہونا چاہیئے؟ انسان جب دنیا مین پیدا ہوا ہے وہ رنگارنگ کے تماشون اور عجائبات سے پُر ہے اور صدہا مختلف قسم کی باتون اور طرح طرح کی کیفیتون اور صلیتون سے اُس کو واقف ہونے کی ضرورت ہوتی ہے پس قدرت نے اُس کی طبیعت کو ایسا بنایا ہے جو اُن سے واقفیت حاصل کرنے کی صرف قابلیت ہی نہین بلکہ خواہش اور رغبت رکھتی ہے۔ ایک ہی مضمون یا ایک ہی قسم کے واقعات کے ساتھ مقید رہنا اس کے لیئے قدرۃً ناموزون ہے پس یہ بات اُس کو نہایت شاق اور گران گذرتی ہے اور گوناگون واقعات کے علم سے اُس کو فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے جو بہ لحاظ قدرتی خواہش کے پورا ہونے کے ضرور ہونی چاہیئے۔ مارشل صاحب ایک فرانسیسی عالم کا قول ہے کہ "بچون کی انواع و اقسام کی قدرتی خواہشون کو پورا کرنا چاہیئے۔ اُن کے اس قسم کے اشتیاق کے پورا کرنے کو ہی اُن کی ترقی تعلیم کا باعث بنانا چاہیئے۔ اور جون ہی کہ بچے کے چہرے سے بے دلی اور درماندگی کی علامات ظاہر ہونے لگین اسی وقت پڑھنا بند کرا دینا چاہیئے"۔ مگر دیکھیئے ہماری تعلیم مین ان باتون کا کہان تک لحاظ کیا گیا ہے۔ مکاتب مین تو اب اور ا با کی تختی اگر بچہ صبح سے پکارنے لگا ہے تو شام تک اسی مین مغز ما رکر رہ گیا ہے۔ اور کوئی نہین پوچھتا۔ بلکہ اگر تھک کر اور تنگ آکر کہین دم لینے کو بھی خاموش ہوتا ہے تو وہ گھومتی ہوئی لکڑی سر پر آ پہونچتی ہے۔ چہ جائے کہ کسل مندی اور بے دلی کو صرف اس کے چہرے سے دیکھ کر اُس کی طبیعت بشاد دینے یا پڑھنا چھڑا دینے کا خیال کیا جاے۔ مدارس مین اگرچہ مختلف مضامین پڑھائے جاتے ہین

مگر ان کے پڑھانے کے ڈھنگ اور وقت مین بچون کی طبایع اور خواہشات کا کوئی لحاظ نہین کرتا ہے اس لیئے وہ تعلیم سواے اس کے کہ دوران سر پیدا کرے اور کوئی فائدہ قواے عقلیہ کی ترقی کو نہین پہونچا سکتی۔

اس بات کے سمجھنے کے لیئے کہ کس کس عمر مین بچہ کو کس قدر عرصہ تک تعلیم دینا کافی ہے مین ایک سیدھی سی بات بتاتا ہون کہ بچے مین تعلیم حاصل کرنے کی قابلیت قدرتی ہے اور خواہش اس کی از خود پیدا ہوتی ہے۔ نہ اس مین ماں باپ کی کرامت ہے نہ استاد کی۔ اور نہ خاندان کے کسی مرشد کی۔ تو جب کہ خواہش تعلیم کی بچہ کی طبیعت پیدا کرتی ہے تو اندازۂ تعلیم کا دوسرون سے مقرر کیا جانا کس قدر حیرت انگیز بات ہے۔ جو خواہش پیدا کرتا ہے اسی سے اس کا اندازہ کرانا چاہیئے کیون کہ یہ امر دوسرے کے اختیار سے خارج ہے۔ اسی لیئے کوئی حق اس اندازہ کے مقرر کرنے یا جبر کرنے کا کسی کو حاصل نہین ہے لیکن جن کو اپنی بے رحمی کا ابھی پورا اطمینان نہین ہوا وہ اب آزمالین اور دیکھ لین کہ اس سے کیا حاصل ہوتا ہے سواے اس کے جس کی شکایت پیدا ہوئی ہے۔

ایک اور دھوکہ جو ہم کھاے ہوے ہین اور جس نے اصول اور اغراض کے قائم کرنے مین کچھ کم گمراہ ہم کو نہین کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم علم اور عقل کو ایک ہی چیز سمجھتے آئے ہین۔ حال آن کہ عالم ہونا ایک دوسری بات ہے اور عاقل ہونا ایک دوسری۔ حافظہ کی خوبی کو جو الفاظ کی ایک ڈکشنری (لغات) پر حاوی ہونے کی قابلیت رکھتا ہو تمام عقل کی خوبی سمجھ لینا ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ اگر ہمارے طالب علم بہت سے الفاظ یاد کر سکتے ہین یا کر لیتے ہین تو اس سے سمجھ لینا کہ وہ عاقل ہو گئے ہین وہ ایک ایسی عقل کا کام ہے جو اسی کے مانند ہو۔ فاضل پوٹھیز کے اس قول کو مین آج تک نہین بھولا جو اس نے اپنے ایک دوست کو لکھا تھا کہ "مین تمھارے خیال سے متفق ہون۔ مگر با این ہمہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ دل کی عظمت خیالات کی باریکی۔ قدر دانی۔ دنیا کا تجربہ۔ اطوار کی خوبی۔ کام مین ہوشیاری اور سچی صداقت۔ دیانت اور رضا جوئی کی محبت یہ ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی ان سب صفات سے متصف ہو اور پھر عالم ہو" اس پر بھی جو معنی "عالم" کے ان لوگون کی نظرون مین ہین وہ اس "عالم" کے مفہوم سے کہین زیادہ ہین جو ہمارے معنون مین ہین۔ ہم تو بڑی خوشی کے ساتھ اس شخص کو عالم کہنے کے لیئے تیار ہین جو انسان کی صورت مین ایک طوطے سے زیادہ کچھ نہ ہو۔

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب نے "تعلیم و تربیت" کے عنوان سے لکھتے

ہوے نہایت عمدگی اور خوب صورتی سے صرف اسی فرق کو دوسرے الفاظ مین نہین بتایا بل کہ اپنے سوال کا گویا خود جواب لکھ چکے ہین۔ اُن کی عبارت حسب ذیل ہے:

"تعلیم و تربیت کو ہم معنی سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ بل کہ وہ جُدا جُدا دو چیزین ہین۔ جو کچھ انسان مین ہے اُس کو باہر نکالنا انسان کو تعلیم دینا ہے اور اس کو کسی کام کے لائق کرنا اُس کا تربیت کرنا ہے۔ مثلاً جو قوتین کہ خدا تعالیٰ نے انسان مین رکھی ہین اُن کو تحریک دینا اور شگفتہ و شاداب کرنا انسان کی تعلیم ہے اور اُس کو کسی بات کا مخزن اور مجمع بنانا اُس کی تربیت ہے۔

"انسان کو تعلیم دینا درحقیقت کسی چیز کا باہر سے اُس مین ڈالنا نہین ہے بل کہ اُس کے دل کے سوتون کا کھولنا اور اندر کے سرچشمہ کے پانی کو باہر نکالنا ہے جو صرف اندرونی قوی کو حرکت مین لانے اور شگفتہ و شاداب کرنے سے نکلتا ہے۔ اور انسان کو تربیت کرنا اُس کے لیئے سامان مہیا کرنا ہے اور اس سے کام کا لینا ہے۔ جیسے جہاز تیار ہونے کے بعد اُس پر بوجھ لادنا اور حوض بنانے کے بعد اُس مین پانی کا بھرنا۔ پس تربیت پانے سے تعلیم کا بھی پانا ضرور نہین ہے۔ تربیت جتنی چاہو کرو اور اس کے دل کو تربیت کرتے کرتے مُنھ تک بھر دو مگر اُس سے دل کی سرچی سوتین نہین کھلتین بل کہ بالکل بند ہو جاتی ہین۔ اندرونی قوی کو حرکت دیے بغیر تربیت تو ہو جاتی ہے مگر تعلیم کبھی نہین ہوتی۔ اس لیئے ممکن ہے کہ ایک شخص کی تربیت تو بہت اچھی ہو اور تعلیم بہت بُری۔ یہی ٹھیک ٹھیک حال ہم مسلمانون کے عالمون اور تربیت یافتہ لوگون کا ہے کہ تربیت تو نہایت اچھی ہے اور تعلیم کچھ نہین۔ ظاہر مین دیکھو تو طمطراق بہت کچھ مگر جب اصلیت ڈھونڈو تو کچھ نہین بھاری بھرکم تو عمامہ اور دستار اور جبہ اور کُرتے سے بہت کچھ مگر دل کی اور اندرونی قوی کی شگفتگی دیکھو تو کچھ بھی نہین۔ نہایت عمدہ قول ہے کہ کتابون کا پڑھا دینا تو تعلیم کا نہایت ادنیٰ اور سب سے زیادہ تعیہ جز ہے۔ بل کہ اس قسم کے بہت سے پڑھنے سے جس مین اندرونی قوی کی تحریک اور شگفتگی نہ ہو جس قدر دل کے قوی کمزور اور ناکارہ ہو جاتے ہین ایسے کسی اور چیز سے نہین ہوتے ہم اپنے ہان کے عالمون کا حال بالکل یہی دیکھتے ہین کہ اُن کے روحانی قوی بالکل نیست و نابود ہو جاتے ہین اور صرف زبانی بک بک یا تکبر و غرور اور اپنے آپ کو بے مثل و نظیر قابل ادب سمجھنے کے اور کچھ باقی نہین رہتا زندہ ہوتے ہین مگر دلی اور روحانی قوی کی شگفتگی کے اعتبار سے بالکل مردار ہوتے ہین۔ کتابین پڑھتے ہین اور جس قدر عمدہ کتابین افراط سے ہم پہونچین اُن کو ازبر زیادہ پڑھتے ہین اور اُن

تربیت حاصل کرتے ہین اور ایسے بیل کے مانند ہو جاتے ہین جو برابر چرتا ہے اور پھر بھی چراگاہ ہی مین رہنے کی خواہش کرتا ہے پس کتابین پڑھ لینے سے انسانیت نہین آجاتی۔ بل کہ وہ کتابی علم خود ان پر بوجھ ہوتا ہے۔

"اس تقریر سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ تمام خرابیون کی جڑ جو ہم پر نازل ہین یہی ہے کہ ہم نے اپنے دل کو اور اپنی اندرونی قوی کو بالکل خراب کر دیا ہے۔ علم جو حاصل کرتے ہین وہ بھی بہ عوض اس کے کہ روحانی قوی کو شگفتہ و شاداب کرے اُن کو پژمردہ بل کہ مردہ کر دیتا ہے اور ہماری قوی کو جو درحقیقت سرچشمہ تمام نیکیون کے ہین بالکل کم زور اور ناکارہ کر دیتا ہے اور ہماری حالت تمام معاملات مین کیا دین کے اور کیا دنیا کے خراب ہوتی چلی جاتی ہے پس ہم کو اپنے پر رحم کرنا چاہیے اور ایسی تعلیم کو اختیار کرنا چاہیے جو اندرونی قوی کو شگفتہ و شاداب کرے اور دل کی سوتون کو کھول کر سرچشمے سے پانی باہر نکالے جس سے ہماری زندگی سرسبز و شاداب ہو۔"

یہ حال تو اُن لوگون کا ہے جو ہمارے دیسی مکاتب کے ہیرو (heroes) اور دستار فضیلت کے ماسٹر ہوتے ہین۔ سرکاری مدارس کے طلبا کی نسبت بھی ایک مقام پر ایک صاحب نے رابرٹ ھنری ایلیٹ صاحب کی کتاب موسومہ "اکسپیری انس اف اے پلینٹر ان دی جنگل اف میسوبر" سے کچھ عبارت چھپوائی ہے۔ صاحب موصوف کے لکھنے کی غرض کچھ ہی ہو وہ کچھ ہی مجھے ہو۔ ماحصل اُن کے بیان کا ایک نہایت سچا واقعہ ہے۔ لفظ ہندو سے اُن کی مراد ہندوستان کے تمام باشندون سے لینا چاہیے۔ وہ لکھتے ہین کہ "سرکاری مدرسون مین ہندو بہت ذوق و شوق سے پڑھتے ہین اور تعلیم پوری ہو جانے کے بعد مدرسہ چھوڑ کر جب باہر بیٹھتے ہین تو اُن کی لیاقت دفعۃً گھٹ جاتی ہے جیسے نئی نئی کھلتی ہوئی کلیان پالے سے مرجھا جاتی ہین۔" پھر وہ لکھتے ہین کہ "جب یہ لوگ ہماری زبان کو ایسی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بولتے ہین کہ ہم کو رشک آتا ہے تو پھر ہم کیون کر یقین نہ کر لین کہ با برصاحب جس کام یابی کی راہ پر چلے ہین اُس مین ضرور منزل مقصود کو پہونچین گے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ سب اُن کی نری باتین ہی باتین ہوتی ہین جن کا کوئی نتیجہ نہین ہوتا۔ شاید لوگون کو یہ خیال ہو کہ ہندو کی خلقت مین کسی خاص ایسی صفت کی کمی رہ گئی ہے جس کے سبب سے وہ اور انسانون کے مانند نہین ہین لیکن ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ انسان کی نیچر کے قاعدے تمام دنیا مین یک سان ہین

اور یہ اصول کہ ہر ایک کام کے کرنے کے لیئے کسی غرض اور مقصود کا ہونا ضرور ہے جیسا مغربی
ملکون مین مسلم ہے ویسا ہی مشرقی ملکون مین تسلیم کیا ہوا ہے [illegible] کا لڑکا نہایت ذوق شوق [illegible]
مین پڑھتا ہے اور نیا شوق اس کو آگے بڑھاتا ہے وہ بہت جلد ترقی کر لیتا ہے جب وہ شوق پورا ہوتا
ہے تو اُس کو نوکری کا حوصلہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کو یہ توقع نہین ہوتی کہ اپنی زندگی مین [illegible]
کام کرکے نیک نامی اور شہرت حاصل کر سکے گا وہ اگر کوئی کتاب لکھے تو کس کے لیئے لکھے اس لیئے کہ اگر
غیر زبان مین لکھے تو سوائے اس کے چند ہم مکتب دوستون کے اور کوئی پڑھنے کا نہین اور جو اپنی زبان مین
لکھے تو عام لوگون کو اس کی باتین سمجھنے کی لیاقت نہین۔ صرف تھوڑے سے خاص خاص آدمی پڑھ کر سمجھین
گے پس اس کی محنت اور کوشش سے کچھ فائدہ بھی ہو تو گنتی کے چند آدمیون کو ہو سکتا ہے۔ اسی سبب سے وہ
اس طرف سے بیدل ہو جاتا ہے اور اپنے ملک کو کسی طرح فائدہ پہونچانے کی تدبیر کرنے کا خیال کبھی نہین
کرتا۔ اور جو قوتین اُس کے شوق کے سبب سے اُبھری ہوئی تھین وہ [illegible] باقی ہین بلکہ ایسی
کا عدم ہو جاتی ہین کہ پڑھنے کی نسبت اس کی حالت بُری ہو جاتی ہے" اور اس واقعہ کی صحت مین ہم کو اس
مین کچھ بھی شبہہ نہین ہو سکتا لیکن جو وجہ صاحب موصوف نے اس کے لیئے تشخیص کی ہے [illegible] سے ہم کو
[illegible] ایک نہایت کم درجہ کی وجہ ہے کہ اُن کی تصنیف کی قدر نہ ہونے کے سبب سے اُن
کی قوتین دب جاتی ہین جن لوگون کے قوائے اندرونی متحرک ہو کر اُن کے دل کی سوتون کو کھول دیتے ہین
وہ کسی ایسی ایک وجہ سے نہین رک سکتین۔ انسان کا دل مانند ایک سمندر کے ہے جس مین خیالات کی لہرین
اُٹھتی ہین۔ جب ایک دفعہ تلاطم امواج پیدا ہوتا ہے اور دل لہرین مارنے لگتا ہے تو کسی کے روکے
وہ لہرین نہین رک سکتین۔ ہر ایک چیز کو جو اُن کے مقابلہ مین آوے وہ توڑ دیتی ہین اور اپنا راستہ
نکال لیتی ہین بلکہ ملک کی ناقدردانی اور ضرورت ایک دوسری وجہ خیالات کو متحرک کرنے اور اُن مین جوش
پیدا کرنے کی ہوتی ہے [illegible]
یعنی "ضرورت اُم الایجاد ہے" پس یہ وجہ صحیح نہین ہو سکتی۔ اگر آج سے
[illegible] برس پہلے ملک کی یہ کیفیت تھی تو آج جب کہ یہ مقابلہ [illegible] کے مادہ اس قدر ترقی کر گیا
ہے اور شائقین اور قدردانون کا ایک معتدبہ گروہ ملک مین تیار ہو گیا ہے تو کس قدر [illegible] مین پیدا
ہوا ہے؟ کچھ بھی نہین۔ اگرچہ طبائع ملک نے ایسی بیداری [illegible] کی طرف ملک نے اگر فخر سے نہین تو محبت

کی نگاہ سے ضرور دیکھا ہے تو اُن کو قدر دانون کے میسر آجانے کی وجہ قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ صاحب موصوف اگر اصل وجہ سے چوک کر صرف یہی کہتے کہ چون کہ ہمارے ملک مین اغراض تعلیم کے سمجھنے مین لوگون نے بہت غلطی کھائی ہوئی ہے یعنی تعلیم سے اُن کا مقصد اپنے آپ کو سرکاری ملازمت کے قابل بنانا ہوتا ہے تو یہ بھی ایک ایسی وجہ ہوتی جس کی جانب سے کوئی عاقل چشم پوشی نہین کرسکتا۔ ہندوستان کے لوگ اب تک بھی اس نافہمی کی سزا مین گرفتار ہین۔ اُن کے کان ابھی اس رمز سے آشنا نہین ہوے کہ تعلیم خود تعلیم کی غرض سے حاصل کی جاتی ہے نہ کہ خالی ملازمت کے لیئے۔ مگر یہ خرابی اور اور تمام خرابیان جس وجہ کی طرف منسوب کی جاسکتی ہین وہ وہی ہے جو سرکاری مدارس کا بے قاعدہ اور نادرست طریق تعلیم و تربیت ہے۔ اصول اور مقاصد اور اغراض تعلیم کا طلبا کے ذہن نشین کرنا اُن کی طبائع کو تمام قسم کی آفات اور ناموافق حالات سے بچانا۔ سیدھے راستے پر لے آنا۔ اور علمی مذاق اُن مین پیدا کرنا۔ یہ اُسی تعلیم و تربیت کا فرض ہے جو آج برعکس اُس کے اور وبال جان اور بھٹکانے اور گمراہ کرنے کا خود باعث ہو رہی ہے۔ طالب علم جو آج تکمیل علم کرکے اور ڈگریان حاصل کرکے ہمارے مدارس سے نکلتے ہین اُن مین اور ہمارے سکانے کے اہل کمال مین فرق اسی قدر ہوتا ہے کہ آخرالذکر کی تمام پونجی ایک ہی قسم کی ہوتی ہے۔ اور بہت پرانی ہوتی ہے۔ ایک طرف تو اُس کا خریدار کوئی نہین ہوتا اور دوسری جانب اُن کو اُس کے فروخت کرنے کا شعور نہین ہے۔ اُن کو وہی پرانی صدا یاد ہے کہ مردون کی فاتحہ کی روٹیون کے عوض مین اس کمال کو بیچتے ہین سر خالی ہوکر زبان چلتی ہوئی بنی ہے۔ آؤ خریدار و سودا سستا ہے خرید لو۔ مگر ہمارے نئے تجارون کی پونجی مین رنگ برنگ کا مال ہوتا ہے۔ جغرافیہ کی اصطلاحین خوب یاد ہوتی ہین۔ براعظمون کے ملک۔ ملکون کے شہر اور شہرون کے ٹھکانے یاد ہوتے ہین۔ تواریخ کے شجرہ ہاے نسب ازبر ہوتے ہین۔ ریاضی کے قاعدے اور بڑے بڑے مشکل سوالات کا حل کرنا جانتے ہین۔ دو تین زبانون کے الفاظ اور اُن کے قواعد جاری ہوتے ہین طبیعات اور علم کیمیا کے عجائبات سے آگاہ ہوتے ہین۔ مگر یہ سب کچھ اُنھون نے اپنے لیے نہین پڑھا ہوتا۔ ریلوے آڈٹ آفس کی کلرک شپ کے لیئے۔ جہان اس کے خریدار جلدی مل جاتے ہین یہی اُن کی منزل مقصود ہے۔ جہان پہونچ کر نہایت مطمئن اور آسودہ دکھائی دیتے ہین۔ دنیا و مافیہا کے جھگڑون سے اُن کو نجات مل جاتی ہے۔ خلیجین آبنائین اور جھیلین سب سمندر مین بہا دیتے ہین تواریخ کے شجرون اور قصون کو گذرے ہوون کے ساتھ قبرون مین دفن کردیتے ہین۔ طبیعات اور علم کیمیا کو خدا

کے حوالے اور الفاظ کو ڈکشنری کے سپرد کرتے ہین. ریاضی مین سے جمع تفریق اور ضرب اور تقسیم
چھانٹ کر رکھ لیتے ہین اور باقی کالج کے نام واپس کر دیتے ہین۔ غرض اپنے سرمایے کو بیچ کر ایمان
داری کے ساتھ دست بردار ہوتے ہین کہ چند روز مین اگر اُن کا سر ٹٹولو تو سوا اے چند توہمات کے
خاتون کی میراث کے اُس مین کچھ بھی نہ پایا جاے گا۔

ان تمام افسوس ناک خرابیون کی بنیاد یہی ہے کہ یہ فضیلت مآب نواند سے لکھ لکھے اور انسانیت کے
پیچھے اوصاف سے ایسے معرا دکھائی دیتے ہین چند روز ہوے کہ اپنے ماں باپ کے ہاتھون مین انھین
تمام بے تمیزیون کے برداشت کرنے والے بچے تھے جن کا ہم ذکر کرتے آئے ہین۔ اب وہ بھی اپنی اولاد
کی تعلیم و تربیت اُسی ڈھنگ پر کرنا کافی سمجھتے ہین جس پر اُن کی اپنی تعلیم و تربیت ہوئی تھی - وہ کوئی نقص
اپنے آپ مین نہین پاتے جس کی بچون کی نسبت آیندہ اصلاح کی ضرورت خیال کرین- دنیا ہمیشہ اسی قاعدہ
پر عمل کرتی چلی آئی ہے اور ایک غلطی جو ہم کو کسی قوم یا گروہ انسانی مین صدیون تک اُترتی آتی دکھائی دی
ہے اُس کی وجہ سوا اس کے کچھ اور نہین ٹھہرائی جا سکتی- یہان تک کہ جب غلطی کی اصلیت بھی غلط کر دی گئی
ہے تو بعض دلون کی دبی ہوئی چنگاریان بھڑک کر شعلہ زن ہوئی ہین نہایت دلیری سے وہ ناقابل برداشت
بوجھ آخر انھون نے اپنے کندھے سے اُتار دیا ہے اور دوسرون کو بھی سبک دوش کیا ہے- خدا کرے کہ
ہندوستان مین ہماری قوم کے لیے بھی وہ وقت آ گیا ہو کہ کم سے کم اپنی غلطی تسلیم کرنے اور سیدھی راہ پر
چلنے کے لیے وہ آمادہ ہون۔ اُن کی حالت تو تعصب- تقلید- بے بنیاد عقائد اور اوہام باطلہ نے یہ
بنا دی ہے کہ تعلیم کا تو ایک نازک معاملہ ہے- اپنی ہر ایک چیز کو جسے وہ مانتے یا اُس پر عمل کرتے چلے آتے
ہین اس کا چھوڑنا خدا کے حکم سے بغاوت اور کفر قرار دیتے ہین- اُن کی گول روٹی کے سامنے اگر کوئی شخص
تکونی یا چوکونی روٹی پکانا چاہے تو اس کے خلاف ایک شرعی فتوی لا دینا اُن کے لیے کچھ بھی دشوار امر
نہین ہے- اب اگر اُن کو یہ کہا جاے کہ اسی بے قاعدہ اور ناجائز تعلیم نے حقائق اشیا کے ادراک کا
مادہ اُن مین سلب کر دیا ہے اور دلیل کی قوت کی اطاعت اُن سے اس لیے نا پید ہو گئی ہے کہ قواے
عقلی کو مناسب طور پر سدھارنا اُنھون نے نہین سیکھا ہے تو جس عقل اور فکر سے وہ اس بات پر غور کرین
گے وہ وہی ہے جس مین تعصب اور جہالت کی موروثہ عمارتین بنی ہوئی ہین اور نسلاً بعد نسلٍ اُس پر
قابض چلے آئے ہین- مگر ہم کو خداوند تعالی کی رحمت اور بخشش پر بھروسہ کرنا چاہیے جو دلون کا حقیقی خلوند

اور با اختیار مالک ہے۔ وہ رحم اور بخشش کرے گا اور ہمارے بھائیون کو راستی اور صداقت کی طرف بازگشت کرنے کی توفیق عطا کرے گا۔

اب مین اپنے مضمون کے زیادہ مفید حصہ پر پہونچتا ہون یعنی یہ بیان کرون گا کہ قواے عقلیہ کی تعلیم و تربیت باقاعدہ طور پر کیون کر ہونی چاہیے جب کہ وہ قوی بہ تدریج اس قسم کی تعلیم و تربیت کی خواہش اور رغبت خود ظاہر کرین۔ اس غرض کے لیے سب سے پہلے کچھ مختصر حال اُن قوی کی تقسیم کا بیان کرنا مناسب ہوگا جو حکماے نے کی ہے اور اُن کے مختلف حصون کو مختلف نامون سے موسوم کیا ہے۔

ہم بیان کر آئے ہین کہ ذہن مین تصورات کے پہونچنے کا راستہ حواس خمسہ ہین اور ابتدائی عمر مین سب سے زیادہ کام اُنھین کو کرنا پڑتا ہے۔ ان کے عمل کے ساتھ ساتھ جو قوت سب سے پہلے پیدا ہوتی اور ترقی حاصل کرتی ہے وہ قوت مدرکہ کا ابتدائی درجہ ہے جس کا نام ادراک ناقص ہے۔ اس کا کام تصور کا قبول کرنا اور ارادہ کے ذریعے سے طبیعت کو اشیاے خارجی پر لگانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد قوت مدرکہ کا اعلیٰ درجہ یعنی ادراک کامل پیدا ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ادراک ناقص سے حاصل ہوا ہو اُس کو جمع اور مرتب کرے اور اس طرح مرتب شدہ تصورات کو ذہن یا طبیعت کے سامنے پیش کرے قوت ارادہ اور توجہ ان قوی کے معاون اور مددگار رہتے ہین۔ قوت مدرکہ سے جب تصورات کی تنقیح ہوتی ہے تو اس سے قوت فیصلہ پیدا ہوتی ہے جس کا کام تصورات کے باہمی تعلقات کا تمیز کرنا اور اُن کو اعلیٰ خیالات سے پیوستہ کرنا ہوتا ہے۔ ان سب سے فائدہ اُٹھانے والی قوت قوت حافظہ ہے جو حاصل شدہ تصورات کو محفوظ رکھتی ہے اور ضرورت کے وقت اُن کو پھر واپس لے آتی ہے۔ اس سے مستفید ہونے کے لیے قوت متخیلہ ہے جو تصورات کو اور لباس مین ظاہر کرنا اپنا کام رکھتی ہے۔

قواے باطنی کی تشریح کو اس سے زیادہ تطویل دینا بہ لحاظ ہماری غرض کے اس مقام پر بے فائدہ ہوگا کیون کہ ہمارا مطلب صرف قواے عقلیہ کے اُن مختلف حصون کا ذکر کرنے سے ہے جن کی جداگانہ تعلیم اور تربیت مجموعی صورت مین قواے ذہنی کی ترقی خیال کی جاتی ہے گو بعض حکماے نے اُنھین قوی کو بہت زیادہ تشریح کے ساتھ بیان کیا ہے اور مختلف نام اُن کو دیے ہین۔ مگر اتنی تفصیل سے ہم کو خوف ہے کہ کچھ حاصل نہ ہوگا۔

قواے مدرکہ کی ترقی کے جو اسباب قدرت نے انسان کے لیے مہیا کیے ہین اُن مین سب سے زیادہ

سفید قوت مشاہدہ ہے یعنی وہ قوت جو اشیا کو بغور دیکھنے اور اُن کے حالات پر فکر کرنے کی تحریک طبیعت میں پیدا کرتی ہے۔ یہ قوت بھی چونکہ ازخود پیدا ہونے والی قویٰ میں سے ہے پس بچے اس کے عمل سے فائدہ اٹھانے کے لیے خواہش اور رغبت ظاہر کرتے ہیں اور قریباً تمام حس کے عمل سے پوری ہوتی ہے۔ آنکھوں سے بغور دیکھنے کا نام ہی مشاہدہ نہیں ہے بلکہ باتوں کو سننا اور اشیا کی کیفیات و اوصاف دریافت کرنا یہ سب باتیں جو ابتدائی واقفیت کی ترقی کی معاون ہوتی ہیں مشاہدے میں داخل ہیں۔ مگر اشیا کے عام طور پر دیکھنے اور واقعات کے بالائی طور پر سننے سے یہ غرض نہیں پوری ہو سکتی بلکہ حقائق اشیا کا علم اس خواہش کا اصلی تقاضا ہے اس لیے بچوں میں اشیا کے قدرتی اوصاف دریافت کرنے اور اس سے خوشی اور دلچسپی حاصل کرنے کی رغبت پائی جاتی ہے اور جو سچا علم اس طریق سے حاصل کیا جاتا ہے وہ تمام آئندہ والی ترقی کی بنیاد ہوتی ہے۔ اور وہی خیالات کو اُن کے سیدھے اور صحیح راستے پر چلاتا اور انسانیت کی اغراض کو بوجہ احسن پورا کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس نازک شرط کو بھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ تعلیم بھی وہیں تک فرحت و راحت بخش ہو سکتی ہے جہاں تک کہ دماغ اس کی برداشت کے قابل ہوتا ہے۔ اگر مناسب حدود سے تجاوز کیا جاوے تو وہی بے دلی اور تھکاوٹ اس کا نتیجہ ہوتی ہے جو فائدہ مندی کو ضایع کر دیتی ہے اور جس طرح اس قوت کی تحریک سے طبیعت میں ایک خاموش خواہش علم الاشیا کی پیدا ہوتی اُسی طرح آہستگی اور صفائی سے اس کے پورا کیے جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہمارے موجودہ طرز تعلیم میں کوئی کھوج اس قسم کی تعلیم کا نہیں ملتا ہے اور یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے واضعان قواعد کو کبھی کسی اس قسم کی قوت کے موجود ہونے کا یقین ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اہل یورپ اس بات کے مقر ہیں وہ بہت عرصہ تک اس کے معلوم کرنے سے عاجز رہے ہیں اور یہ بے خبری درحقیقت اُس ناقابل افتخار حالت سے پیدا ہوتی ہے جو ہمارے اسباب واقفیت اور بچوں کی اُس حالت سے تعلق رکھتی ہے۔ فاضل سپنسر نے لکھا ہے کہ "تعلیم کے طریقہ ہائے قدیم کے رد ہونے سے جو نئے قاعدے جاری ہوئے ہیں اُن میں سے نہایت اہم طریقہ یہ ہے کہ طلبا کے قوائے مشاہدہ کو باقاعدہ اور مسلسل طور پر بڑھایا جاوے۔ اور عرصہ دراز تک اس تاریکی میں رہنے اور بے خبر ہونے کے بعد آخر کار معلوم ہو گیا ہے کہ بچوں کے قوائے مشاہدہ کی ازخود پیدا ہونے والی قابلیت

اور مستعد اور بے معنی اور بے کار نہین ہے۔ جن چیزون کو پہلے نکمی بے معنی کھیل اور شرارت خیال کیا جاتا تھا اب انھین کو ذریعہ تحصیل علم سمجھتے ہین جس پر کہ تمام علم کا مدار اور حصر ہے اس سے غور و تامل کے بعد سبق الاشیا کا عمدہ سلسلہ جاری ہوا ہے۔ اگرچہ اس کے برتنے مین اب تک غلطی کی جاتی ہے"

اسی فاضل مصنف نے قوت مشاہدہ کے مناسب طور پر برتنے کے فوائد مین یہ جملے اور تحریر کیے ہین یعنی کہ "اگر ہم بنظر غور دیکھین تو معلوم ہو سکتا ہے کہ دنیا مین کوئی کامیابی بدون غور اور مشاہدہ کے نہین ہو سکتی۔ صرف صناعون۔ خواص الاشیا جاننے والون اور حکیمون کو ہی اس کا جاننا ضروری نہین ہے اور نہ صرف طبیب کی تشخیص اس پر مبنی ہے۔ یا انجنیر (کل ساز) ہی بغیر اس کے اپنا کارخانہ نہین چلا سکتا۔ بل کہ ہم دیکھتے ہین کہ فیلسوف بھی درحقیقت اُن اشیا کے باہمی تعلقات پر بذریعہ مشاہدہ کے غور کرنے والا ہے جس کو اور لوگون نے نہ دیکھا ہو۔ شعرا بھی اسی مشاہدے کے ذریعے سے اشیا قدرتی کے اُن اوصاف و کیفیات پر نظر ڈالتے ہین جنھین اورون نے خود تو پہلے سے معلوم نہین کیا لیکن اُن کے بتانے اور سمجھانے سے واقف ہو جاتے ہین اور پہچان لیتے ہین۔ طلبا کے لیے اس سے زیادہ ضروری کوئی بات نہین ہے کہ حقائق اشیا سمجھنے کی طرف اس سے اُن کی طبیعت رجوع لائے۔ کیون کہ عمدہ جامہ عقل کا کچے یا سڑے ہوئے اسباب سے نہین بنایا جا سکتا۔"

پس اصلی اور صحیح طریقہ ہاے تعلیم کے رموز مین سب سے اول جو بات قابل سمجھنے اور عمل کرنے کے ہے وہ یہی ہے کہ قوت مشاہدہ کی ترقی کی غرض سے تعلیم دی جائے۔ یعنی ایسا ڈھنگ تعلیم کا اختیار کیا جائے جس مین قوت مشاہدہ کے لحاظ سے بچہ کو مناسب طور پر اُس قدر تعلیم حاصل ہو سکے جس قدر کہ وہ تقاضا اور خواہش ظاہر کرتا ہے۔ اسی اندازے کا عمدگی سے دریافت کر لینا اور لحاظ کرنا تمام عمدہ طریقہ ہاے تعلیم سے کچھ کم فائدہ بخش نہین ہے۔

ہم نے گذشتہ سطور مین کہا ہے کہ مشاہدہ تمام جسم انسانی کے عمل مین شامل ہے اور مشاہدہ اسی کا نام ہے کہ جملہ حس کو اُن کی خواہش کے مطابق عمل کرنے کے لیئے اسباب بہم پہونچائے جائین۔ پس مشاہدہ کی ترقی مین درحقیقت اُن کی حس کی منفرداً تعلیم و تربیت داخل ہے جس کی ضرورت خود اُن حس کی موجودگی ثابت کر رہی ہے۔ اگر حس کی تعلیم سے غفلت اختیار کی جائے تو جو نتیجہ اس غفلت سے پیدا ہو گا وہی ہے جس کی شکایت کی گئی ہے۔ ہم نہین کہتے کہ فاضل سپنسر کہتا ہے اور حکیم بیکن کی تائید ...

ہم اُن الفاظ کو اُن کے لفظی ترجمے سے یہان نقل کرتے ہین۔ حمہ یہ ہین کہ

"تعلیم جس کی غفلت تمام تعلیم کے بعد کاہلی۔ کند ذہنی اور

مجہولیت پیدا کر دیتی ہے جو ناقابل علاج ہوتی ہے"

حافظہ دماغ کی ایک شریف اور نہایت مفید قوت ہے اور یہ بھی مانند دیگر قویٰ کے ورزش اور ریاضت سے بہ تدریج ترقی کرتی ہے۔ جسطرح اس کا تحسس اور مشاہدہ ہے حکمائے حافظ کا مقام اور محل انسان کے مغز کو قرار دیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ مغز انسان کا گاڑھے شیرے کے مانند ہوتا ہے جب بصارت و حس کسی شے کو معائنہ یا محسوس کرتی ہیں تو اس مین ایک تموج پیدا ہوتا ہے اور وہ محسوس یا مشاہدہ کی ہوئی شے اُس پر منقش ہو جاتی ہے۔ مغز کی حالت مین چون کہ بہ لحاظ عمر کے تغیر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی بچپن مین وہ زیادہ رقیق اور پتلا ہوتا ہے اور عمر کی ترقی کے ساتھ وہ گاڑھا اور سخت ہوتا جاتا ہے اسی سے ہے کہ ابتدائے عمر مین بچہ اس قسم کے نقوش مغز پر زیادہ جلدی حاصل کر لیتا ہے۔ اور ہر ایک امر کو جلدی اور آسانی سے حفظ کر سکتا ہے جون جون عمر مین بڑھتا ہے حفظ کرنے مین دشواری اور دیر پیدا ہوتی جاتی ہے کہ یہان تک کہ بڑھاپے مین مغز بالکل منجمد ہو کر ایک خشک چیز کے مانند ہو جاتا ہے۔ جو امور اُس پر نقش ہو چکے ہوتے ہین وہ برقرار رہتے ہین لیکن کسی نئی بات کا حفظ کر لینا بہت ہی محال ہوتا ہے

کتاب "فصیلت" مین حافظہ کی نسبت ایک فقرہ یہ ہے کہ "ہمارے حافظون کا ایک بڑے پیمانے مین بڑھ جانا یا کم ہو جانا اُن کی مشق پر منحصر ہے۔ اگر بالکل اُسے استعمال نہ کیا جائے تو اُس کے ضایع ہو جانے مین کوئی شبہہ نہین ہو سکتا" ساتھ ہی افراط و تفریط کی حد کو پہونچنا خرابی اور نقصان لاتا ہے "فصیلت" مین ہے کہ "حافظہ پر اس قدر بوجھ بھی نہ ڈالنا چاہئے کہ وہ بہ جائے بادشاہ فاخدمت گذار ہونے کے غلام بن جائے۔ اگر تم اونٹ کے برابر بھی عقل نہین رکھتے تو اس سے سیکھ لو کیون کہ وہ پورا بوجھ لاد جانے پر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے حافظہ ایک کیسے کے مانند ہے اگر تم اُس کو مُنھ تک بھر دو گے تو وہ بند نہ ہو سکے گا اور سب چیزین اُس مین سے گر جائین گی۔ ایک پیٹو کی طرح تمام چیزین کھا لینے کی ہوس مت کرو ایسا نہ ہو کہ حافظہ کی اشتہا کے لالچ مین ہاضمہ کی قوت کو خراب کر ڈالو"

ہم نے جہان ذہنی اور روحانی قویٰ کو معطل اور بے کار چھوڑ کر تباہ کر دیا ہے وہان حافظہ کی نسبت اس قدر افراط و تفریط سے کام لیا ہے کہ اُس کی حالت ایک غلام سے بدتر بنا دی ہے ہر ایک چیز مین

جو ہم رکھتے ہین کوئی نہ کوئی امر قابل شکایت کے ضرور ہے۔ دیگر قواے عقلیہ کی تعلیم و تربیت سے وہ جس قدر غافل ہوے ہین اسی قدر بار غریب حافظہ پر ڈالا ہے۔ اسی کو ہم دماغ مین لفظون کا ٹھونسنا کہا کرتے ہین ہے کیونکہ ان کی تمام تعلیم کا منشا رلفظون کا یاد کرانا رہ گیا ہے جس قدر الفاظ کسی کتاب مین لکھے ہوے ملے ہین ان کو اس درجہ ایک مقدس چیز خیال کیا ہے کہ ان مین سے کسی ایک کا ضایع ہوجانا اور حافظہ مین محفوظ نہ ہونا بہت بڑی قباحت کا باعث سمجھا جاتا ہے پس اس سے جو سلوک بے چارہ اور کس مپرس حافظہ کو اٹھانا پڑا ہے اس کی کیفیت وہی جان سکتا ہے۔ حکما کو اس بات کے کہدینے مین تامل ہوا ہے کہ حافظہ کی شدید مشق دیگر قواے روحانی اور ذہنی پر کوئی اثر نہین رکھتی لیکن مجھ کو اس قدر تامل نہین ہے اور مین کہون گا کہ حافظہ پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالنا جس قدر کہ فی نفسہ حافظہ کو ضعیف اور پریشان کرنے والا ہے اسی قدر دیگر قواے ذہنی کو بھی صدمہ پہونچاتا ہے۔ جسم انسانی حافظہ کے لیئے مانند ایسی نالیون کے ہین جو چشمہ مین پانی لے آتی ہین اور وہ پانی دیگر قواے کی نالیون مین آب یاری کے لیئے جاتا ہے اگر اس کو چشمہ ہی مین گدلا اور خراب کر دیا جاے گا۔ تو اس کی آبیاری ان قوی کے لیئے ضرور برا اثر پیدا کرے گی۔ حافظہ مانند ایک ذخیرہ گاہ کے ہے جو دیگر قواے ذہنی کا باقاعدہ عمل جاری رکھنے کے لیئے ان کے واسطے سامان مہیا کرتا ہے اور پہونچاتا ہے اگر وہ سامان ہی خراب ہوگا تو اس عمل مین ضرور ہے کہ نقص پیدا کرے اور وہ عمل بیکار ثابت ہو۔ جب مین ایک بڑھئی کو صرف ہاتھون سے آری اور تیشہ چلاتے دیکھتا ہون تو فورا اس کی نسبت کا جو حافظہ کی حالت اور دیگر قوی ذہنی مین اسی طرح قائم ہوتی ہے تصور میرے ذہن مین آتا ہے۔ بڑھئی کا تمام جسم کم زور اور ضعیف ہوتا ہے۔ اور کمر خمیدہ ہوجاتی ہے مگر اس کے بازو ایک لکڑی کے مانند سخت ہوجاتے ہین اور ان کی سختی ہمیشہ اسی تیشہ اور آری چلانے کے لیئے کام مین آسکتی ہے۔ یہی حالت ہمارے بچون کے حافظہ اور دیگر قواے عقلی کی ہے کہ وہ قوی ضعیف اور کم زور ہوجاتے ہین مگر حافظہ کے ایک ہی قسم کے عمل مین ہمیشہ مصروف رہنے سے صرف تحفظ الفاظ کا عادی بن جاتا ہے یہ ایک ایسا کام ہے جس سے بجاے فائدہ ہونے کے کچھ اور نہین سب کچھ گھر سے دینا پڑتا ہے۔ یعنی پورا احمق اور نادان بنا دیتا ہے۔

مسلمان مذہبی تعلیم پر بچپن مین بہت زور دیتے ہین اور بچے کی تمام قوی کو ہمہ تن اسی مین مصروف

اور مذہب بھی اتنا وسیع ہے کہ ہر ایک چیز جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہو وہ اُن کے مذہب میں شامل ہے۔ وہ بے معنی قصہ اور حکایتیں جھوٹی اور دور از کار روایتیں ہوں۔ یا اولیاؤں کی منظوم کراتیں ہوں کیونکہ معقول باتوں کا مسلمانوں کے دماغ کے قریب آنا بھی شاید ناجائز ہو۔ غرض ہر ایک چیز کا بچہ کے حافظہ میں بھر دینا تمام تعلیم کا مقصد اور منشا ہے۔ کیونکہ اس میں دینی اور دنیوی سب بھلائیاں جمع ہیں۔ اب اگر بچہ کی عقل ضایع ہو جائے تو اُس پر حیرت اور تعجب ظاہر کرنا ہی بے معنی ہے۔ اب رہے وہ الفاظ جو فی الحقیقت مقدس اور پاک ہیں اُن کے یاد کرنے میں ایک زیر و زبر کی غلطی سیدھا دوزخ کی طرف لے جاتی ہے مضمون سے مطلب سے منشا سے معنی سے۔ اور اُس مضمون پر عمل کرنے سے کوئی غرض اور کوئی واسطہ مسلمانوں کو نہیں رہا۔ صرف عربی الفاظ حفظ کر لینا شرط ہے جو شرطیہ عقل کو سر سے خارج کر دینے والا ہے۔ قرآن کریم کا حفظ کرنا میں بھی ایک نہایت برکت اور رحمت کا باعث سمجھتا ہوں لیکن نہ اس طریقے سے اور اس عمر سے اور اس بے قاعدگی سے کہ چار پانچ برس کی عمر سے لے کر دن بھر اور رات تک اسی میں اس کو گرفتار رکھا جائے۔ حافظہ جس قدر ایک عمدہ اور مفید شے اور رحمت خدا تھی مسلمانوں نے اُس کو اُسی قدر مضر اور نقصان رسان اور زحمت کا باعث بنایا ہے۔

دوست ہی دشمن جان ہو گیا اپنا آتش نوش دارو نے کیا یاں اثر سم پیدا

میرا ایک عزیز حافظ قرآن ہے۔ بچپن میں اُس کی طبیعت تیز اور ذہن رسا۔ اور سمجھ عمدہ تھی لیکن اب اُس کے چہرے پر ایک قسم کی پژمردگی چھا گئی ہے طبیعت ٹھونس اور مزاج میں بھدا پن ہو گیا ہے۔ گو حفظ الفاظ سے حافظہ ایسا بے کار نہیں ہو گیا۔ پس جب تک مسلمان اپنی مذہبی تعلیم کے لئے بھی معقول طریقہ نہ اختیار کریں گے تب تک یہ شکایات رفع نہ ہوں گی۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ معقول طریقہ مذہبی تعلیم کا کون سا ہو سکتا ہے تو ایک مختصر جواب میں اُس کو ظاہر کیا جا سکتا ہے کہ تمام قسم کی تعلیم وہ مذہبی ہو یا کسی اور قسم کی جس قدر حفظ کرنے کے لئے ہو اُس کے واسطے دو امور کا لحاظ ہونا چاہیے۔ اول تو یہ کہ وہ مقدار میں دماغ کی قابلیت سے زیادہ نہ ہو۔ ... جوں جوں عمر اور حافظہ ترقی کرے اس کو تھوڑی احتیاط سے بڑھایا جائے۔ دوسرے یہ کہ وہ تعلیم دلچسپ اور دل کو راحت اور فرحت بخشنے والی ہو یا کوشش کی جائے کہ اُس کو ایسا بنایا جائے۔ اور صرف ایک طرح سے وہ دلچسپ بن سکتی ہے کہ وہ سیدھی سادی باتیں اور ایسی

معقول ہو کہ بچے اُس کو سمجھ سکین اور سوچ سکین۔ فاضل سپنسر کا قول ہے کہ بچے عقلی
باتون سے بہت رغبت رکھتے ہین اور ہمدردی ظاہر کرتے ہین۔ دیکھو جو بچہ تمھارے گھٹنے پر بیٹھا ہے
کیسی سرگرمی سے اپنے ہاتھ کے کھلونے کو تاکہ تم اچھی طرح اُس پر غور کر سکو تمھارے منھ مین ڈالتا
ہے اور جب وہ اپنی انگلی کو پانی مین ڈبو کر میز پر خط کھینچتا ہے تو وہ تمھاری طرف متوجہ ہو کر نظر
کرتا ہے اور ہر دفعہ خط کھینچنے کے بعد تمھاری طرف دیکھتا جاتا ہے جس سے اُس کی یہ مراد ہوتی ہے
کہ تم اُس نئی آواز کی طرف جو خط کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے متوجہ ہو جاؤ۔ بڑے بچون کو دیکھو کمرے
مین یہ کہتے ہوے آتے ہین 'مان یہ دیکھو کیا ہے۔ وہ دیکھو کیا ہے' یہ عادات بچے ہمیشہ جاری رکھتے
ہین اگر بے وقوف مان یہ کہکر نہ روک دے کہ 'جاؤ مجھے تنگ نہ کیا کرو' دیکھو جب کبھی بچے اپنی کھلائی
یا خدمت گار کے ساتھ باہر ہوتے ہین تو ہر ایک نیا پھول لے کر کھلائی کے پاس دوڑا آتا ہے۔ اور
دکھاتا ہے کہ کیسا خوب صورت پھول ہے۔ وہ کھلائی سے بھی اس کی خوب صورتی کا اقرار کراتا ہے دیکھو
جب کوئی بچہ کسی نئی بات کو معلوم کر لیتا ہے تو کیسی تیزی اور زبان آوری سے اگر کوئی توجہ سے سُنے
تو اُس کا تمام ذکر سناتا ہے۔ اس قسم کی اور باتون سے جو ہم شب و روز بچون سے سُنتے ہین اور دیکھتے ہین یہ
صاف ظاہر ہے کہ بچے معقول پسند اور معقول باتون کی طرف بالطبع رغبت رکھتے ہین پس معقول اور
مدلل طریقہ سے تعلیم دینا گویا اُن کی دلچسپ تعلیم کا باعث ہے اور یہی عمدہ قاعدہ حفظ کا ہے جو
دل کی معاونت سے حافظہ مین جانشین ہو"۔

ہمارے موجودہ طرز تعلیم سے ایک اور بہت بڑا نقص یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے چونکہ ہمیشہ الفاظ کو
بے سمجھے اور بے سوچے یاد کر لینے کے عادی بنائے جاتے ہین اور اُن مہمل الفاظ کو ہمیشہ زبان سے بکار بار
پکار سامعہ کے ذریعے سے حافظہ مین بٹھاتے ہین اور جو تعلق حافظہ اور قواے ذہنی مین ہے اُس کے
برتنے اور مشق مین لانے کا کوئی موقع نہین پاتے۔ پس ہمیشہ کے لیئے وہ اسی طریق کے عادی ہو جاتے
ہین کہ جو نئی بات اور نیا واقعہ اُن کے کان مین پہونچتا ہے اُس کو اگر حافظہ قبول کرے تو اُس کے
حوالے کر دیتے ہین۔ ورنہ واپس دے دیتے ہین۔ اُس کو ذہن مین لے جانے اُس پر غور کرنے اور سوچنے
کی اُن مین عادت ہی نہین پیدا ہوتی۔ اور اگر کسی چیز اور واقعہ پر سوچنا اور غور کرنا چاہتے ہین تو چونکہ
ذہنی قوی مشق اور ریاضت سے باقاعدہ ترقی حاصل کر کے پختہ اور تربیت یافتہ نہین ہوتے وہ زیادہ

دیر تک اس سوچنے اور غور کرنے کے عمل کے متحمل نہیں ہو سکتے اور تنگ آکر اور اُکتا کر سوچنا چھوڑ دیتے ہین - اگر کوئی پیچیدہ بات یا معاملہ اُن کے سامنے آئے اور اس پر غور کرنا چاہین تو اصل کیفیت اور حقیقت اُس معاملہ کی اُن کے ذہن مین پیدا ہوتی ہے اور پھر تر بتر ہو جاتی ہے - جیسے کہ اندھیری رات مین دور کی مسافت پر کسی جلتے ہوئے چراغ کی روشنی نظر آکر فوراً آنکھون سے غائب ہو جاتی ہے - یہ ایک وجہ ہے کہ بچون کے دل ریاضی اور سائنس مین نہین لگتے اور اسی کو ہم کہتے ہین کہ وہ بھدے اور ٹھوس طبیعت کے ہوتے ہین -

اگر ہم مین سُنی ہوئی باتون کو ذہن مین لے جانے اور اُن پر غور کرنے کی کچھ بھی عادت ہوتی تو آج لاکھون دل ہوتے جن سے درد دل کے سیاہ دھوئین نکلتے دکھائی دیتے - ہزارون دل درد کی حرارت سے جل کر راکھ ہو گئے ہوتے - ہزارون جگر ہوتے جو پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے اور پاش پاش ہو گئے ہوتے کس قدر قومی بھکھیارے اور قومی دیوانے گلیون مین مانگتے اور کوچون مین بے تاب پھرتے اور روتے دکھائی دیتے - آخر وہ سب سُنتے ہین کہ اُن کی قوم دنیا کی کیا چیز تھی اور اب وہ کیا ہو گئی ہے - اگر ایک سُننے ہوئے واقعہ کی اصلی تصویر آنکھون کے سامنے بنا لینا اور اُس کو غور سے دیکھنا سیکھا ہوتا تو آج رنگ کس چیز کا تھا - مگر

نظیری بس از ین آہ و فغان دل خراش آخر   بمردم تا بہ کے خواہد رسید آزار دل از من

مین اُن لوگون کے خیال اور رائے کی نہایت قدر کرتا ہون اور خود اس رائے کی تائید کرتا ہون جو یہ کہتے ہین کہ زبان سے پہلے اُس کے قواعد نہین پڑھانا چاہیئے اور مسلمات سے حسیات کا علم سکھلانا چاہیئے - اور خصوصاً بچپن مین یہ قاعدہ نہایت ضروری اور مفید ہے - کیونکہ اس پُرانے عمل مین بھی حافظہ پر اسی قسم کا بوجھ اور دباؤ ڈالا جاتا ہے جس سے بچون کو دلچسپی نہین ہوتی اور ایسی باتین یاد کرنے کو اُنھین مجبور کیا جاتا ہے جن کی کچھ اصلیت اور حقیقت اُن کی آنکھون کے سامنے نہین ہوتی - مگر جس قدر شکایت اس بے قاعدگی کی کسی اور قوم یا اُن کی زبان کی تعلیم کے لیئے کی جانی چاہیئے مسلمانون مین یہ اُن سے بدرجہا زیادہ ہے یعنی مذہبی تعلیم اُن کے اعلی علوم کی تحصیل کی غرض سے عربی زبان کے پڑھنے کا عام قاعدہ ہے اُس کے قواعد اس درجہ ادق اور پیچیدہ اور لا یعنی بنائے گئے ہین کہ عام طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ جو لوگ قواعد پڑھنا شروع کرتے ہین وہ ادب تک پہونچنے مین اپنے دماغ کی تمام پونجی قواعد کے حوالے کر دیتے

ہین۔ برسون ہل ہل کر اور سر مار مار کر جو قواعد یاد کراتے ہین اُن سے پوچھنا تو چاہیئے کہ دین یا دنیا کے لیے آخر آپ نے کیا حاصل کیا۔ مگر جواب کون دے گا۔ وہ سر جس کا مغز کتب قواعد کے شیرازے مین صرف ہو گیا ہے۔ چند روز ہوے کہ میرے ایک بزرگ نے جو عربی زبان کے ایک بے مثل عالم اور مشہور فاضل ہین مجھ کو ایک چٹھی مین لکھا تھا۔ کہ عربی زبان کے قواعد کی تحصیل مین جتنے سال پرانے طریق تعلیم سے صرف ہوتے ہین اُسی قدر مہینون مین قواعد بخوبی سیکھے جا سکتے ہین۔ اور بیان فرمایا تھا کہ "میرا یہ تجربہ ہے کہ مین نے بہت سے طلبہ کو پڑھا کر دیکھ لیا ہے۔" مجھ کو امید ہے کہ وہ علامہ عصر اپنے اس ٹریٹ بہا علم سے مسلمانون کو محروم نہ چھوڑین گے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ جو پرانی کتابین مسلمانون کے پاس ہین وہ بوجہ پرانی ہونے اور مدت سے مسلمانون کی خدمت کرنے کے مقدس اور علوم دیرینہ کے مانند ہو گئی ہین۔ اُن کا بہ لحاظ اس تعلق اور خدمت کے چھوڑ دینا مسلمانون کے لیئے محال ہے۔ اُن کے باپ نے۔ دادا نے۔ اور اُن سے پہلے تمام بزرگون نے جب اُنھین کتابون کو پڑھ کر فضیلت اور درجے حاصل کیئے ہوے ہین تو مسلمان اُس برکت سے محروم ہو جائین گے۔ جو صدیون کے استعمال سے اُن کتابون مین پیدا ہو گئی ہے۔ ہان اگر خداوند تعالی اپنی رحمت مسلمانون پر نازل کرے گا تو وہ پرانی لکیر کی فقیری کو چھوڑ کر نئے قواعد کے مطابق تعلیم حاصل کرنے کی طرف راغب ہون گے۔

نئے قواعد کی تدوین اور اجرا پر بھی مین اپنی اس رائے پر قائم رہون گا کہ قواعد کی تعلیم زبان سے پہلے نہ ہونی چاہیئے۔ قواعد کسی زبان کے کیا ہین؟ وہ قاعدے ہین جو بولنے والون کی زبان کے لحاظ سے اُس کی ترکیبون سے استخراج کیئے ہوے ہین جب تک کہ وہ مواقع اور تعلقات جن سے یہ قواعد وضع کیئے ہین آنکھون کے سامنے نہ ہون گے تو یاد کرنا اُن کا ایک پھیکا اور بے لگاؤ مضمون ہو گا۔ جو بچے کے لیئے ضرور گران اور دشوار ہونا چاہیئے۔ ایک فاضل تجربہ کار کا قول ہے کہ "کتب قواعد باعث ترقی و لیاقت نہین ہین بلکہ صرف تکمیل تحصیل کے لیئے ضروری ہین"۔ ایک دوسرے فاضل نے یون کہا ہے کہ "عروض اور صرف و نحو مختلف قوانین اور قواعد کا مجموعہ ہے از مشق اور تحریر سے ہم اُن سے آگاہ ہو سکتے ہین۔ اور چونکہ وہ بعض مباحثون اور تقریرون کے نتائج ہین اس لیئے عرصہ دراز کے کامل غور اور مشاہدہ اور مختلف حالات کا باہمی مقابلہ کرنے سے ہم اُن پر حاوی ہو سکتے ہین۔ ظاہر ہے کہ زبان کا بولنا اور نظم کا لکھنا عروض اور صرف و نحو کا خیال کرنے سے ایک مدت پیشتر شروع ہو گیا تھا

اور کوئی شخص اس بات کا خواہش مند اور منتظر رہا تھا کہ جب حکیم ارسطو اپنا علم منطق جاری کرے گا تو اس وقت وہ تقریر و مباحثہ کرے گا" تمام غرض جو تعلیم و تربیت مین اس قسم کا لحاظ کرنے سے ہے وہ یہی ہے کہ حافظہ پر بیجا بوجھ نہ پڑے اور دل کی قوی کو حافظہ کا معاون رہنے اور حافظہ سے مناسب فائدہ اُٹھانے کا مناسب طور پر موقع ملتا ہے

جیسے کہ قواے ذہنی و روحانی کی تعلیم و تربیت کے اصول سمجھنے مین ہم نے اس قدر غلطی کھائی ہے تو اس کا یہ صریح نتیجہ ہونا چاہیے کہ تمام جزوی امور کے سمجھنے سے ہم قاصر رہے ہین ہماری اُن سب غلطیون مین ایک یہ غلطی بھی داخل ہے کہ طلبا مین توجہ کی عادت پیدا کرنے۔ اُس کے عمدہ استعمال اور مشق کی جانب سے ہم غافل رہتے ہین۔ توجہ ذہن کی اُس ریاضت کا نام ہے جو ذہن کو اور سب باتون سے ہٹا کر شئے مطلوب پر جمع کر دیتی ہے اور اُس سے کوشش کرانی ہے۔ دینی عقلی تعلیم کا بہت کچھ انحصار اسی پر ہے کہ طلبا مین توجہ کی عادت پیدا کی جاوے۔ جس قدر حکمت کی پوشیدہ باتین اور سربستہ راز دنیا پر کھلے ہین وہ اسی توجہ اور دھیان کی برکت سے حاصل ہوے ہین۔ تو اس سے بڑھ کر اس کی خوبی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بچون کو ابتدا سے کم و بیش توجہ کا بہ مناسبت اُن کی قوی کے عادی بنانا ہی سب سے بڑی غرض تعلیم و تربیت کی ہے۔ اگر قواے ذہنی اور روحانی کی تعلیم و تربیت مثل ایک کھیتی کے ہے جس کو محنت اور مشقت سے تیار کیا جاوے تو توجہ مانند درانتی کے یا اُن آلات کے ہے جن سے فصل کو کاٹ کر قابل استعمال اور بکار آمد بنایا جاتا ہے۔ مگر توجہ کی ابتدائی مشق کا فائدہ صرف تحصیل علوم کے بعد اُن کو کارآمد بنانے ہی مین نہین ظاہر ہوتا بلکہ ہر وقت اور ہر کام مین جو بچے ابتدا سے اختیار کرتے ہین اُس کی مفید معاونت کی ضرورت رہتی ہے۔ انسان کا دل جن گران بہا گنجینون کا مخزن بنایا گیا ہے اُس کے کھولنے کے لیے یہی ایک کنجی ہے جو اسی وقت سے کام دینا شروع کرتی ہے جب کہ دل اپنے مخفی خزانون کے ظاہر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے پس بچپن کے تمام مشاغل اور مصروفیتون مین حصول کامیابی کا ذریعہ یہی توجہ ہے لیکن مسلمانون مین جو قاعدہ پرورش اطفال اور اُن کی تعلیم و تربیت کا مروج ہے اُس مین کہین ایسے عظیم الشان امر کا لحاظ نہین کیا گیا۔ جو لوگ بچون کا کھیلنا ناپسند کرتے ہین اور بچون کو ہر وقت الفاظ یاد کرنے یا کچھ زائد پڑھنے مین مصروف رکھنا چاہتے ہین یا جاہل اور اُجڈ متمنسگارون کے حوالے کر دیتے ہین جن کا کام اُن کی رہی سہی عقل کو بھی کھو دینا ہوتا ہے۔

اور جو شخص بچون کے کھیلنے سے اس قدر مانع نہین آتے ہین وہ اس بات کا لحاظ نہین کرتے کہ
کہ بچے کس قسم کے کھیل کھیلتے ہین۔ کیسے مجمعون مین شریک ہوتے ہین اور وہان اُن کو کس قسم
کے مضامین پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ یہان پر مین کسی اور شخص کو بنام نہ کرون گا صرف اپنی
کیفیت اُن ایام کی بیان کرون گا جب کہ ابتدائی تعلیم کے لیئے مدرسہ مین پڑھتا تھا وہ تمام مکروہ
کھیل جن مین دن رات مین مصروف رہتا تھا قابل بیان کرنے کے نہین ہین۔ مگر تمام وقت انھین
کا مضمون سوچنے مین صرف ہوجاتا تھا۔ یہان تک کہ مدرسہ مین جب اور طالب علم سبق پڑھ رہے
ہوتے تھے تو میری توجہ اپنے کھیل کی طرف لگی ہوتی تھی۔ مدرسہ سے آکر کھیل ہوتے
تھے اور مین۔ جہان تک بس چلتا تھا تمام وقت کھیل ہی مین یا دیر تک گذر جاتا تھا جو کھیل مین جیت
جانے کے لیئے سودمند ہون۔ رات کے بارہ بجے تک بھی کھیلنے مین مجھ کو کچھ تامل نہ ہوتا تھا
اگر گھر سے کوئی آدمی جا کر اور دھمکا کر گھر تک لے آتا۔ مگر ہمارے وطن مین جس قدر کھیل کھیلے جاتے
ہین اُن کا زیادہ تر تعلق ہاتھ پاؤن سے ہوتا ہے۔ پتنگ بازی کبوتر اڑانے۔ بٹیرین لڑانے
مین اُدھر بہت کم لوگ دلچسپی لیتے ہین مگر دیہات کے مسلمانون کے بچے صدہا طرح کے
مذموم کھیل کھیلتے ہین۔ گو اس وقت ہم کو اس امر سے کچھ بحث نہین کہ کس قسم کے کھیل کھیلنا چاہیئن
صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ایسے ہی بیہودہ مشاغل مین بچے مصروف رہتے ہین اُن مین علمی
مذاق پیدا کرنا۔ عالمانہ زندگی کا بچپن ہی مین ڈھنگ ڈالنا ہم لوگون نے سیکھا ہی نہین ہے۔ بچون
کو اپنے غیر جنس لڑکون کے ساتھ کھیلنا اُن کے پیشہ کی تکمیل اور تحصیل کے لیئے نہایت نقصان
رسان ہے۔ اُن کو ہمیشہ اپنے ہی مانند اور اپنے ہم جنس لڑکون کے ساتھ رکھنا چاہیئے جہان
سوا اُس کام کے جس کے وہ درپے ہین کوئی ذکر اور تذکرہ بالکل نہ ہونے پائے کھیلنے
کے واسطے بھی اُن کو ایسے ہی سامان مہیا کر دینے چاہیئن جو اُن کے کام کے متعلق ہمیشہ اُن
کی توجہ اور شوق کو برانگیختہ کرتے رہین۔ پُرانی کہانیون مین جو بچون کو گھر کی بڑی بوڑھیان سُنایا
کرتی ہین قریباً سب کہانیون کی ابتدا ایسے ہی مضمون سے ہوتی ہے کہ کسی بادشاہ کے بہت
آرزو اور تمنا سے بیٹا پیدا ہوا جب نجومیون سے اُس کی فال نکلوائی تو انھون نے بتایا کہ پہلے
چودہ برس تک اُس کے لیئے بہت منحوس ہین یہان تک کہ اُس کو آفتاب کی روشنی سے بھی بچایا

جائے اور زمین مین ایک تہ خانہ بنا کر اُس مین اُس کی تعلیم و تربیت کی جائے۔ جب یہ عرصہ بخیر و عافیت گذار کر نکلے گا تو بڑا اقبال مند بادشاہ دنیا کا ہو گا۔ اگر اس قسم کی کہانیون کے معنون کو کسی روشن نگاہ سے دیکھا جائے تو شاید یہی معنی ہون گے کہ وہ نحوست سوائے اُن بیہودہ مشاغل کی گرفتاری اور تعلیم و تربیت سے محرومی کے اور کوئی شے دنیا مین نہین ہے یہ بات فی الواقع بہت وزن رکھتی ہے کہ بچون کی ابتدائی تربیت کا زمانہ بالکل ایک محفوظ اور تنہا صورت کا ہونا چاہیئے جس مین دنیا کی بے شمار مکروہات کو کچھ دخل نہ ہو۔

اہل انگلستان کی اس روشن ترقی کا حال سب جانتے ہون گے مگر شاید یہ بھی کسی نے سُنا ہو کہ وہ بچون کی تعلیم و تربیت کس طرح کرتے ہین۔ بچپن ہی سے وہ اُن کو کچھ فاصلہ پر کسی معلمہ یا معلم کے سپرد کر دیتے ہین جس کا پیشہ یہی ہوتا ہے کہ بچون کے باقاعدہ تعلیم و تربیت کے علاوہ اُن کی مناسب پرورش کا انتظام کرے اور صرف ہفتہ مین یا دو ہفتہ مین ایک بار اپنے والدین کو وہ دیکھنے پاتے ہین باقی تمام وقت اُسی کام کو عمدہ طریقون کی ہدایت سے کرنے مین صرف رکھے جاتے ہین جو اُن کے لیئے تجویز ہوتے ہین۔

تمام اسی قسم کا انتظام اور احتیاط سے جو بچون کو اُن کے مضمون کی طرف ہر وقت متوجہ رکھتی ہے اور وہ مسلسل توجہ کے عادی ہو جاتے ہین۔ توجہ کا براہ راست تعلق دماغی قوی کے ساتھ ہے اور وہ قوی بھی اسی توجہ کے باقاعدہ عمل سے پختہ ہوتے ہین یعنی ابتدا مین وہ بہت تھوڑی دیر تک توجہ کے کسی مضمون پر قائم رکھنے کی اجازت دیتے ہین۔ مگر بتدریج بڑھتے بڑھتے وقت ایسا آجاتا ہے کہ وہ بہت زیادہ بوجھ اٹھا لیتے ہین اور اس کے عادی ہو جاتے ہین۔ بچون کے سامنے جب کوئی مضمون آتا ہے تو ذرا سے غور اور توجہ کے ساتھ اُس کی تہ تک پہونچ جاتے ہین یا جی اور سائنس ایسے علوم ہین جو سب سے زیادہ توجہ کی اعانت کے محتاج ہین لیکن جب کہ ہم لوگون مین یہ خو توجہ کرنے کی نہین ہوتی تو پھر یہ کیا شکایت ہے کہ ریاضی اور سائنس ہمارے بچون کی طبیعتین نہین لگتین۔

ہم دیکھتے ہین کہ ہماری برادر قومون مین جو ہندوستان کی عزت ہین وہ لوگ اپنے بچون کو ابتدا سے توجہ کرنے اور ریاضی کے ابتدائی قاعدے اپنے طور پر سکھانے مین مصروف رہتے ہین۔

بچون کو آوارہ پھرنے اور کھیلنے کی اجازت نہین دیتے یہی اُن کی طبیعتون کو ابتدا سے غور کرنے اور سمجھنے کا متحمل بناتے ہین۔ یہی ایک سیدھی وجہ اس امر کی ہے کہ وہ ہمارے بچون سے زیادہ ریاضی اور ایسے علوم مین قابل اور ہوشیار ہوتے ہین۔

سوچنا کسی امر پر اور غور کرنا کسی شے پر جو ہمارے سامنے آئے یہ کوئی ایسا مضمون نہین ہے جو ہم سے کچھ نسبت اور تعلق رکھتا ہو۔ انھون نے اپنے دماغون کو گذرے ہوے لوگون کے دماغون کے مقابلہ مین نہایت ادنی اور کم درجے کا خیال کیا ہے۔ اس بات کو انھون نے سمجھا ہی نہین کہ گذشتگان کی جو کچھ سمجھ مین آیا تھا اُنھون نے کاغذ کے صفحون پر اس لیے ثبت کر دیا تھا کہ آیندگان کو معلوم ہو کہ ہمارے اوقات نے ان مضامین کو یہین تک پہونچانے کے لیے وفا کی ہے اس سے آگے بڑھانا یہ تمھارا کام ہے اور یہ ہم اس لیے لکھ چلے ہین کہ یہی مضامین تم کو از سر نو اور اُن کی ابتدا سے نہ شروع کرنے پڑین اور جو کچھ تم پیدا کرو اُن کو بھی ہمارے مانند کاغذون کے حوالے کر جانا کہ تم سے بعد آنے والے اُس سے فائدہ اُٹھائین۔ اور اُس سے آگے لے جائین۔ مگر مسلمانون نے گذرے ہوون کی مقدس تحریرون کو اس قدر ادب کی نگاہ سے دیکھا ہے کہ اُس پر ترقی کرنے کا خیال بھی دماغ کے قریب نہین آنے دیا یہی وجہ ہے کہ قوت متخیلہ کے حاصل کرنے سے وہ محروم رہے ہین۔ اُن کی کتابون کو دیکھو کہ وہ اُن کے حاشیے بھی چھاپ دیتے ہین۔ اس لیے کہ جو کچھ کتاب مین لکھا ہے اُن الفاظ کا یاد کر لینا عام تحصیل علم کی علت غائی ہے حیف ہماری ان سمجھون پر۔

پروفیسر ملکبی کا یہ ایک نہایت قیمتی جملہ ہے کہ "یہ کس قدر حیرت دلانے والی بات ہے کہ ہم سب چشم کشادہ پھرتے ہین مگر دیکھتے کچھ نہین" سبب اس کا یہ ہے کہ آلہ نظر بھی مثل دیگر آلات کے تربیت کا محتاج ہے۔ اس عدم تربیت اور کتابون پر غلامانہ حصر اختیار کرنے کے باعث نظر سست اور کاہل ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اپنی اصلی اغراض اور فرائض کے پورا کرنے کے ناقابل ہو جاتی ہے پس مدارس اور کالجون کی تعلیم کو ابتدائی اصول کے مانند خیال کرنا چاہیے جو طلبا کو یہ سکھلائین کہ جو کچھ دیکھتے ہو اُسے جانو اور جو کچھ کہ نہین دیکھ سکتے ہو اُس کے دیکھنے کی کوشش کرو۔

کتاب مانند ایک روشن چراغ کے ہے جس کے چھونے سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم بھی اپنے دماغون کے دیے کو اس کی روشنی سے روشن کرلین۔ یا کتاب مانند ایک اندھے کی لاٹھی کے ہے جو اپنی ٹانگون سے چلتا ہے۔ مگر وہ اس کو رستہ کے نشیب وفراز سے آگاہ کرتی جاتی ہے۔ یا اس سے بھی صحیح یون کہو کہ کتاب مانند ایک سائن بورڈ (تختہ نشان) کے ہے جو بہت سی سڑکون کے ملاپ اور رستون پر اس غرض سے لگا دیے جاتے ہین کہ مسافر جو اس سفر پر جا رہا ہو کہین رستہ کھو کر آوارہ و سرگشتہ نہ ہو جاے۔ چلنے اور سفر کرنے کی قابلیت خود اس مسافر مین ہوتی ہے۔ اسی طرح جب انسان اس علم کی سڑک پر چل رہا ہوتا ہے تو کتابین اس کو رستہ دکھلاتی ہین اور مغالطہ ہو جانے اور رستہ کھو جانے سے بچاتی ہین مگر چلنے کے لیئے خود ہمارے قوی درکار ہین جن مین اس سفر کے طے کرنے کی قابلیت رکھی گئی ہے جب کہ ہمارے طریقہ تعلیم کے ہر رگ وپے مین یہ تمام غلطیان اور غلط فہمیان موجود ہین تو ہم یہ بات سن کر کہ ان کی تعلیم کے نتائج خلاف اور اقوام کے لوگون کی تعلیم کے پیدا ہوتے ہین کس قدر متعجب اور حیران ہونا چاہیئے۔ ہان خداوند کریم کی بخشش پر بھروسہ کر کے یہ کوشش کرنا چاہیئے کہ وہ سیدھا اور صحیح طریقہ تعلیم کا اختیار کرین۔

پیشتر اس کے کہ مین ابتدائی فصل کو ختم کر کے آگے بڑھون مین اجازت چاہتا ہون کہ ایک اور خرابی کا بھی اس مقام پر ذکر کرون جو تمدنی حالات کی صورت مین ہماری رسوم مین داخل ہے اور ہمارے اس مضمون کی شکایات مین ایک بہت بڑا حصہ رکھتا ہے یعنی بچون کی صغر سنی مین شادی کر دینا۔ ہمارے ملک کے لائق اور عالم لوگون نے جس خوبی سے اس مضمون پر بحث کر کے اس کے ضرر اور عیوب بیان کیے ہین۔ بہت تھوڑے کان ہون گے جو اُن سے آشنا نہ ہون۔ مگر میرے دیکھنے کا ایک دوسرا طریقہ ہے۔ مین صرف یہ دیکھون گا کہ آیا اُن تعلقات سے جو والدین اور اولاد کے درمیان قدرت نے قائم کیئے ہین کیا کسی ایک تعلق کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ بچون کی شادی کر دینا بھی مان باپ کا ایسا ہی فرض ہو جیسا کہ اُن کا پرورش کرنا اور تعلیم و تربیت کرنا۔

مین نے اکثر اوقات بیٹھ کر اس مضمون پر سوچا ہے مگر (شاید کم فہمی سے) مجھے کوئی صورت

اُن تعلقات کی اس شکل مین نہین دکھائی دی جس سے والدین کا یہ دل پسند فرض بھی کہین قوانین قدرت کے احاطہ مین آجاتا۔ مین نے دیکھا ہے کہ والدین کے دل مین اور زیادہ تر والدہ کے دل مین بچہ کی اس قدر محبت ڈالی گئی ہے جس قدر اُس کی حفاظت اور پرورش کے سامان اُسے دینے کے لیئے ضروری تھے۔ بہت چھوٹی عمر مین جب کہ بچہ بالکل اور ہر امر مین دوسرون کی سعادت کا محتاج ہوتا ہے یہ محبت غایت درجہ کی ہوتی ہے۔ جون جون وہ بڑھتا ہے اور اپنی ضروریات مین خود ہاتھ بٹاتا شروع کرتا ہے وہ محبت بھی بڑی آہستگی اور خاموشی کے ساتھ کم ہوتی جاتی ہے۔ جن ضروریات کے لیئے بچہ خود انتظام کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اُن کی فکر والدین کو کم ہوتی جاتی ہے اور وہی شے ہے جو اس رشتۂ الفت کو نرم کیئے دیتی ہے۔ ابتداے عمر مین والدہ جس پر بچہ کی ابتدائی پرورش کا براہ راست حصر ہوتا ہے اور اسی سے ثابت ہے کہ یہی بچے سے چند ساعتون کے لیئے بھی جدائی نہین اختیار کرسکتی لیکن جب وہ بڑا ہوکر تعلیم و تربیت یا کسی اور زندگی کی غرض سے مہینون اور برسون جدا رہنے کا محتاج ہوتا ہے تو والدین مین اُس کے برداشت کرنے کی بھی قابلیت پیدا ہوجاتی ہے۔

یہ محبت اُن کی باہمی ضروریات مین مدد دینے کے اندازے سے ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ جب کہ لڑکا کو کسی عمر مین بیمار ہوجاے تو وہ الفت پھر عود کرآتی ہے اور اُن اسباب کا تہیہ کراتی ہے جن کی ضرورت اُس کو پیش آتی ہے۔ مین نے یہ بھی سوچا ہے کہ بوڑھے اور ناتوان باپ کی ضرورتین بچون کے دلون کو اُس کی طرف متوجہ کرتی ہین یہ قوانین کا نتیجہ ہوا جارجی اسباب کا مگر وہ بھی درحقیقت اُنھین اندرونی اسباب کا نتیجہ ہوتے ہین۔ میرے لائق ناظرین جب اس مسئلہ کو پیش نظر رکھ کر سوچین گے تو وہ تمام تفاصیل اُن کو بہت عمدگی سے سوجھ جائین گی جن سے مین بخوف طوالت احتراز کرتا ہون۔ وہ یہ بھی سمجھ جائین گے کہ ایک اولاد کا حصر اپنے والدین کے وسائل پر اُسی وقت تک کے لیئے بنایا گیا ہے جب کہ وہ خود والدین مین سے ایک بننے کی قابلیت نہ پیدا کرے۔ مگر یہ بات شاید اُن کی بھی سمجھ مین نہ آسے گی کہ شادی کردینا بچون کی والدین کے کون سے تعلقات کا نتیجہ ہے جو اُن کو اپنی اولاد کے

ساتھ ہین اور بچے کس قانون اور کس ضرورت کے لحاظ سے والدین سے اس سلوک کے محتاج بنائے گئے ہین۔ کم درجے کے حیوانات ہم اعلی درجہ کے جانوروں کے سمجھانے کے لیے عمدہ معلم ہین اُن مین بھی بچون کی پرورش کرنا تو البتہ ماں باپ کا فرض ہے۔ لیکن شادی کر دینا اُن کا فرض نہین ہے۔ حالانکہ اُن کو شادی کرنے کی ضرورت اُن کے لیئے بھی ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ انسان کے بچے۔ پس جو لوگ ایسا کرتے ہین وہ کیا کرتے ہین؟ وہ خدا کے قانون کی خلاف ورزی اور اُس کے منشا کے خلاف عمل کرتے ہین یہ اُنھیں افعال مین سے ایک فعل ہے جن کا نام گناہ کبیرہ ہے۔ لوگون نے بچون کی شادی اپنے ہاتھ ہی سے کرنا ایک قانونی فرض اپنا قرار دیا ہے اور چونکہ اس کا پورا کرنا ہر وقت اُن کی آنکھون کے سامنے رہتا ہے۔ وہ دن رات اسی کوشش اور سعی مین گرفتار رہتے ہین کہ شادی کے فرض سے جس قدر جلد سبکدوش ہو جائین اُسی قدر بوجھ سر پر سے اُتر جائے گا۔ اُن کو نہ اُن کی تعلیم کی فکر ہے۔ نہ تربیت کی۔ نہ کسی عمدہ پیشہ کے سکھلانے کی۔ نہ دنیا کے کسی کام کے قابل بنانے کی۔ اگر فکر ہے تو یہ کہ شادی جلد تر ہو جائے۔ اس جلدی نے یہان تک ترقی کی ہے کہ عورتین اپنے شکم مین بچون کی نسبتین کر ڈالتی ہین اور دو چار برس کی عمر مین شادی کر دیتی ہین۔ تمام بیہودگیان جو ان رسوم کے ساتھ شامل کی گئی ہین اُن کو دیکھ دیکھ کر انسانیت کے مدارج کے عقدے آنکھون کے سامنے حل ہوتے ہین۔ اور حیرت اور تعجب دامن گیر ہوتی ہے۔ سمجھتے تو وہ بھی اپنے آپ کو اشرف المخلوقات ہی مین سے ہین۔ مگر جانتے نہین کہ یہ افعال اُن کے ارذل المخلوقات سے بھی بدتر ہین۔ لیکن ہمارا تعلق مضمون کے اس پہلو سے بہت زیادہ نہین ہے۔ ہم کو تو صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بچپن مین شادی کر دینے سے بچون کی تعلیم و تربیت کا صیغہ مفقود ہو جاتا ہے۔ والدین کی بے احتیاطی کے ساتھ بچون کی بے پروائی اور سرگشتگی توجہ مل کر تعلیم و تربیت کے وجود کو بھی گھر سے خارج کر دیتی ہے اُن کی آیندہ نسل کی نسبت جس قدر خوف اور فکر ظاہر کیا جانے کو ہے مجھ کو اُس سے زیادہ فکر اور خوف خود اُنھین کے واسطے ہے کہ جس قدر اُن کی جسمانی قوی خراب اور رقیق ہوتی جاتی ہین اُسی قدر اُن کی ذہنی اور روحانی قوی سردہ اور بے کار ہوتی جاتی ہین۔

ہمارے بھائیون کو کم سے کم اتنا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ شادی کرنے سے اور مرد و عورت کی پیدائش سے صانع حکیم کی کیا غرض تھی یہ ایک سیدھی اور سادی بات ہے اور تمام دنیا یہی کہتی ہے۔ اس سے صرف بقائے نسل انسان مقصود ہے اور تمام حالات اس غرض کے معاون اور محرک ہین۔ اس سے بڑھ کر مین کسی فاضل حکیم کے لیئے چھوڑ دیتا ہون کہ وہ سمجھائے اور سب سے بڑھ کر وہ حکیم جو سب حکمتون کا جاننے والا ہے۔ وہ سمجھائے اور ہمارے ملک کے لوگ سمجھین۔ آمین —

حصۂ دوم

اہل یورپ کو اس امر کا اعتراف و اقرار کرنے مین کوئی تامل نہین ہے کہ وہ بھی مثل باقی دنیا کے بچپن کی تعلیم کے رموز و اسرار سے ابتدا مین ناآشنا تھے۔ اور ایک عرصۂ دراز کے بعد تعلیم نے اپنے بھید اُن پر افشا کیئے ہین جب تعلیم اُن کے درمیان عام ہوگئی اور آزادی آسایش اور رفاہ و فارغ البالی ابر رحمت و کرم کی طرح اُن کے گھرون پر برسی اور حقائق اشیا کے ادراک کا مادہ اُن کے دلون مین موج زن ہوا تو وہ ہر قسم کی تحقیقات مین مصروف ہوے۔ اور علوم و فنون کے ہزارہا مشکل مسائل جو پیشتر دنیا کے معمولی واقعات کے طور پر سمجھے جاتے تھے اور کوئی شخص اُن کی حقیقت اور اصلیت دریافت کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت نہین خیال کرتا تھا یا بعض وقت اُن کو صرف تعجب کی نگاہ سے دیکھ لیا جاتا تھا حل کر کے نہایت مفید اور ذی شان نتائج اُن مین سے پیدا کیئے ہین۔ صدہا علما کی بیش بہا زندگیون کے اوقات ایک ایک مسئلہ کے حل کرنے اور اشیا کی ماہیت دریافت کرنے پر نثار ہو گئے ہین۔ ثابت قدمی اور استقلال اُن کے اوزار تھے جن کے ساتھ مشکلات کے عظیم پہاڑون کو کھود کر قیمتی جواہرات کی کانین اُن مین سے نکالی ہین۔ اور دنیا کے ذخائر کو مالامال کر دیا ہے۔ انسان پر اور اُس پر جو اُس کے اندر اور باہر ہے جب اُن کو پورا تصرف اور قبضہ حاصل ہوگیا ہے تو اُس کی پیدائش کے وقت سے لے کر زندگی کے آخری دن تک کی ہر ایک تبدیلی اور ساعت کی کیفیت پر غور کیا ہے اور ایک سچا اور صحیح اور

ناقابل تغیر علم اُس کی تعلیم کا اس سے حاصل کیا ہے۔ اُنھون نے معلوم کیا ہے کہ،

"اگر بچے جب تین برس کی عمر کو پہونچ جاتے ہین تو اُن کی متواتر کھیل اُن کو تھکانے لگتی"
"ہے اور اگر سادہ قسم کی تعلیم اُن کو دی جاے تو یقیناً شرارت اُن کے چھوٹے دلون مین"
"جگہ پکڑ جاے گی اور نافرمان برداری کی عادت اُن مین پیدا ہوجاے گی جو آخری عمر مین"
"ایک کڑوا پھل لاے گی"

اسی بنا پر اُنھون نے ذہنی اور اخلاقی تعلیم کے سادہ اور سیدھے طریق ایجاد کیے ہین جو عموماً تین برس کی عمر سے برتاؤ مین لائے جاتے ہین۔ لیکن اس سے پیش تر بھی وہ اُن کی ایک دوسری قسم کی تعلیم کی جانب سے غافل نہین رہتے یہان تک کہ جب بچہ گہوارہ مین جھول رہا ہوتا ہے وہ اُسے ایک طرح کی تعلیم حاصل کرنے کے قابل خیال کرتے ہین اور عموماً یہ دستور ہے کہ ایک فصیح زبان بچے کو اُس کے قریب بٹھلا کر الفاظ دُہرانے کے لیئے کہ دیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سمائلس کا قول ہے

"اس ابتدائی حالت کی تعلیم یہ ہے کہ اُس کے سامنے ایسے عمدہ نمونے پیش کیئے جائین جس"
"کی تقلید کرنے سے (کیونکہ یہ مادہ اُن مین فطرتی ہوتا ہے) اُن کی رگ وپے مین اس"
"کا اثر پھیل جاے۔ جس طرح خربزہ کو دیکھ کر خربزہ رنگ پکڑتا ہے بعینہ یہی کیفیت بچون کی"
"ہوتی ہے۔ پس اُن کے لیئے بڑی تعلیم یہ ہے کہ عمدہ تماثیل پیش کی جاوین"۔

لوگ اس کو حد درجہ کی حالت خیال کرین لیکن درحقیقت یہ ایسا بے معنی نہین ہے جیسا کہ لوگ اسے خیال کرنے پر آمادہ ہون گے۔ یہ اعتبار اُس علم سے پیدا ہوتا ہے جو بچہ کی تیز اخذ تصورات کی قوت کے جاری عمل کی نسبت اُن کو حاصل ہے۔ بچون کی ابتدائی عمر مین صرف یہی قوت ہے جس کا ظاہرا عمل دکھائی دیتا ہے۔ اور اسی قوت کے عمل سے وہ انسانیت کی جانب لائے جاتے ہین انسان اور حیوان مین تمیز کرنے والی یہی قوت ہے۔ اس کی قدرت کا اندازہ یہان سے ہوسکتا ہے کہ بچہ اپنی ابتدائی تین برس کی عمر مین جب کہ اُس کی زبان بند ہوتی ہے اس قدر الفاظ اپنی مادری زبان کے سیکھ جاتا ہے کہ پڑھانے سے اُس سے دس برس بعد کے عرصہ مین بھی نہین سیکھ سکتا۔ اور تین برس کی عمر کے بعد جو ترقی وہ واقفیت مین از خود صرف اسی قوت کی مدد سے کرتا ہے وہ باقاعدہ تعلیم کے نتائج سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔ اخذ تصورات کی

خاموش اور پوشیدہ قوت کا عمل بچپن میں صرف غیر متعلق دیکھنے والون کی نظر سے بھی پوشیدہ نہین ہوتا۔ بل کہ خود وہ بچہ جس کے اندر وہ عمل کر رہی ہوتی ہے اس کی حالت سے ناواقف رہتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ نہ اُس کا حافظہ قابل ہوتا ہے اور نہ حس کیفیات خارجی کا مادہ پختگی حاصل کر چکا ہوتا ہے۔ بہت سی مثالین مسٹر اڈیسن نے اور دیگر بعض علما نے محققہ او مصدقہ طور پر لکھی ہین کہ ایک شخص کسی عارضہ کی وجہ سے غافل ہو کر ایسے الفاظ بولنے لگا جس کو کوئی نہ سمجھتا تھا۔ اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ایسی غیر زبان بول رہا تھا جس کو اُس نے کبھی نہ سیکھا تھا اور اس سے پیشتر نہین جانتا تھا اور میرے ایک دوست نے مجھ سے ایک واقعہ بیان کیا جو اسی قسم کا تھا کہ ایک لڑکی غافل ہو کر قرآن مجید کی آیات پڑھتی تھی جو اُس نے کبھی نہ پڑھا تھا اور پیشتر کبھی پڑھتی ہوئی نہ سُنی گئی تھی (اور میرے دوست اس سے جِنون کا ایک ایسی چیز ہونا جو آدمیون کو لپٹ جاتی ہے۔ ثابت کر رہے تھے) لیکن جیسا کہ مسٹر اڈیسن کی مثالون مین تحقیق سے دریافت ہوا ہے حقیقت اس کی یہی ہے کہ بچپن مین ان لوگون کو اُن ممالک مین رہتے کا اپنے والدین وغیرہ کے ساتھ اتفاق ہوا ہے جن کی زبان وہ بول رہے تھے اور اخذ تصورات کی قوت نے مستمع الفاظ کا ایک ذخیرہ علی حدہ کر رکھا تھا جو اس وقت اُس نے ظاہر کیا جب کہ حافظہ کے عمل کو خاموش پایا۔ ہم اپنے تمام قوائے کی کیفیت دریافت کرنے پر قادر نہین ہین۔ بعض لوگون کو دیکھا جاتا ہے کہ جب وہ سو کر غافل ہو جاتے ہین تو ایسی باتین کرتے ہین جن کو وہ یاد نہین رکھ سکتے اور حافظہ کو اُن سے کچھ سروکار نہین ہوتا۔ یہی حال بچپن مین اخذ تصورات کی قوت کا ہے جو اپنا عمل خفیہ اور پوشیدہ جاری رکھتی ہے۔ اہل یورپ نے جو طریقہ چھوٹے بچون کے پاس تکرار الفاظ کا ایجاد کیا ہے۔ اُس سے بچے آسانی اور جلدی سے فصیح بولنا سیکھ جاتے ہین جب وہ بڑے ہو کر بولنے لگتے ہین اور اس طریق سے نیز وہ اشتہا جو بچے اپنی آنکھون اور بھوون وغیرہ کی حرکات سے ذہنی قوی کے متعلق ظاہر کرتے مین پوری ہوتی ہے۔ تین برس کی عمر کے بعد جو باقاعدہ تعلیم بچون کی شروع کی جاتی ہے اُس کے سب سے بڑے تین اصول ہین جن کی معاونت پر اُس تعلیم کو مبنی کیا ہے۔ اور وہ تین بذریعہ تصویرون کھلونون اور حکایتون کے حاصل کیے جاتے ہین۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان کے مفاد کا بیان کریں جو ان سے حاصل کیئے جاتے ہین ہم کو تصاویر
کی نسبت یہ ذکر کرنا ہے کہ جو عقیدہ عام مسلمانون مین تصاویر کے گھرون مین رکھنے اور تصاویر
بنانے اور بنوانے کے عدم جواز کی نسبت ہے وہ کہان تک صحیح اور غلط ہے
یہ امر خیال مین نہین آسکتا کہ اسلام کے قانون نے جو بنی نوع انسان کی جملہ قسم کی صلاح
و فلاح پر مبنی ہے تصویر رکھنے یا بنانے اور بنوانے وغیرہ کی نسبت کوئی ایسی ممانعت کی ہو اور
قرآن مجید کے احکام مین کوئی حکم اس بارہ مین نہین پایا جاتا۔ البتہ بخاری مسلم ۔ ترمذی وغیرہ
احادیث کی کتابون مین چند احادیث سے حرمت تصویر پائی جاتی ہے۔ لیکن اس حرمت کے
ہم معنی سمجھ سکتے ہین۔ رسول اللہ صلعم کے زمانے مین تصویرین ایک خاص غرض سے بنوائی
اور رکھی جاتی تھین اور وہ غرض اُن کی پرستش کرنے کی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ایک غرض
بھی تصاویر سے حاصل نہین کی جاتی تھی ۔ دین عیسوی کا نقشہ جب بگڑا تو عیسائی لوگ بھی پرستش
کے لیئے بت اور تصویرین بنوانے لگ گئے تھے اور اُن کو گرجاؤن اور کلیساؤن یا گھرون مین
رکھتے تھے اور قریبًا سب طرف بت پرستی پھیل گئی تھی اور تصویرین پتھر کی ترشی ہوئی یا کاغذون
پر کھنچی ہوئی رکھی جاتی تھی یا گھرون مین مکانات مین کھینچی جاتی تھین۔ وہ تصویرین اُن کے
صدہا دیوتاؤن اور معبودون کی ہوتی تھین۔ ان کا رکھنا درحقیقت مواعظ اسلام کے خلاف تھا
اور پیغمبر صلعم نے انھین کے رکھنے کی اور بنانے یا بنوانے کی ممانعت فرمائی ہے ۔ اور وہ ممانعت
قطعی اور مسلمانون کے لیے ہمیشہ واجب التعمیل ہے اور تصویرین ذی روح یا غیر ذی روح چیزون
کی جن سے یہ غرض نہ وابستہ ہو اور کسی دوسری غرض کے لیئے بنائی جائین ممنوع قرار دینا اسلام
کے مواعظ کے خلاف ہے۔ مثلاً شراب کا پینا مسلمانون مین حرام ہے اور ممنوع ہے۔ شراب کے
استعمال کرنے کی یہ ایک صورت اور غرض ہے۔ لیکن آج انگریزی وضع کے جوتون یعنی بوٹون
کے سیاہ کرنے کے لیئے وارنش مین شراب ملائی جاتی ہے تو اسلام کی تعلیم اس قسم کی کبھی نہ ہوگی کہ
شراب کو اس غرض کے لیئے یعنی جوتون کے سیاہ کرنے مین بھی استعمال نہ کیا جائے۔ پس جو غرض
تصاویر کے بنانے اور اُن کے رکھنے سے آج ملحوظ کی گئی ہے وہ اس سے پیشتر کبھی نہین کی
گئی تھی اور خصوصًا اُن ایام مین تو سوائے پرستش کی غرض کے اور کسی غرض سے تصویرین

نہین رکھی جاتی تھین کسی دوسری غرض کے لیئے مثلاً آرائش مکان یا اس سے بھی کسی عمدہ غرض کے لیئے مثلاً مظاہر قدرت اور مناظر فطرت سے دل چسپی حاصل کرنے کے لیئے اگر تصاویر رکھی جائین تو ممنوع نہین ہوسکتین مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے مکان مین تصاویر کا رکھا جانا اور اُن کا تصاویر بنوانا خود قرآن مجید سے ثابت ہے اور قدیم شاہان اسلام کے ایوان اور مکان بھی تصاویر سے آراستہ ہوتے تھے اور کئی قسم کی تصاویر بنوائی جاتی تھین۔ بغداد مین ایک عالی شان عمارت "دار الشجرہ" کے نام سے تھی جس کو خلیفہ المقتدر باللہ نے تعمیر کرایا تھا۔ جو خود بھی ایک زبردست عالم تھے اُس کے صحن مین ایک حوض پر اٹھارہ سونے چاندی کے مصنوعی درخت تھے جو نہ صرف جواہرات سے مرصع تھے بلکہ اُن کی شاخون پر مختلف اقسام کے مصنوعی پرندون کو ایسی ترکیب سے بنا کر بٹھایا تھا کہ جو ہوا لگنے سے چہچہاتے تھے (دیکھو المامون جلد ۲ صفحہ ۹) اور اسی حوض کے گرد پندرہ سوارون کے بت گھوڑون سمیت ہتھیارون سے آراستہ نصب تھے جو باہم حملہ آور نظر آتے تھے (دیکھو معجم البلدان ذکر دار الشجرہ) خلیفہ ابی اسحاق محمد المہتدی باللہ کی خلافت تک خلفاے اسلام کے محل تصویرون سے آراستہ رہتے تھے (دیکھو تاریخ الخلفا صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰) ایسے ہی اور بھی واقعات اس قسم کے مل سکتے ہین کہ شاہان و امرا و روساے اسلام کے مکانون مین تصویرین رکھی جاتی تھین۔ اگرچہ اُن کی غرض بھی کوئی بہت اعلی درجے کی نہ ہوگی یعنی صرف زیبائش اور دل چسپی اور صنعتی نمونون کے اظہار کے لیئے رکھی جاتی ہون گی۔ لیکن آج کی اغراض نہایت فائدہ آور اور انسان کے لیئے بہت سود مند ہین۔

مسلمان کسی وجہ سے اس غلطی مین مبتلا ہوے ہین اور اس کی وجہ مسلمانون کے روحانی حکام کے تاکیدی احکام کے سواے جو اُن کے بے کار وقت کی ایجادین ہوتی ہین کچھ نہین ہوسکتی۔ اور ایک عام عقیدہ یا دستور جو مسلمانون مین پھیلا ہوا ہے کہ اگر کوئی تصویر وہ گھر مین رکھتے ہین تو اس کا چہرہ بگاڑ کر رکھتے ہین یہ انھین علما کی تعلیم سے پیدا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر اس عجیب دستور کے معنی سمجھنا بہت محال ہے۔ کیا خداوند تعالی کا مُنھ مثل انسان کے مُنھ کے ہے اور باقی جسم ہاتھ پانون وغیرہ نہین ہے جس کے گھر مین رکھ لینے کی اجازت دی جاتی ہے۔ وہ تو

"الذی لیس کمثلہ شیٔ"

ہے تو پھر اس کے معنی کیا ہین۔ شاید یہ بات سب مسلمان کہتے ہین اور اس پر اعتقاد رکھتے ہین کہ جس گھر مین تصویر ہو اُس گھر مین فرشتہ وغیرہ نہین آتے۔ لیکن ہندوستان مین جہان کے مفتی بہت سرگرم ہین شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جس مین اشرفی نہین تو روپیہ یا پیسہ سکہ انگریزی کا نہ ہو۔ اس سکہ پر تصویر بلکہ تصویر کا وہ حصہ ہوتا ہے جس کے رکھنے کی خاص ممانعت کی جاتی ہے۔ لیکن عجیب ہے کہ اُس کے حرمت اور ممانعت کی نسبت کوئی فتوی نہین دیا گیا۔ شاید اس لیئے کہ اس کو کوئی پسند نہ کرے گا یا شاید اس سے مفتیون کو خود بھی اس کا پابند ہونا پڑتا جس کی پابندی وہ اپنے لیئے خصوصاً کم پسند کرتے ہین۔ غرض یہ تمام عقائد خداوند تعالی کے مخلوق کی تصاویر کی حرمت کی نسبت جن کے دیکھنے سے اُس کی صنعت حکمت اور عظمت نظر آتی ہے محض بے اصل ہین اور جو فائدہ کہ تصاویر کے رکھنے اور بنانے اور بنوانے سے لوگ حاصل کر رہے ہین اُن سے مسلمان کسی حالت مین محروم نہین ہو سکتے۔ اور خود علت کے تبدیل ہو جانے سے یہ خیال تبدیل ہو تا جاتا ہے مسلمان تصویرین رکھنے لگے ہین اور اس لیئے اس کی بحث کی زیادہ ضرورت نہین۔

لیکن فن مصوری اور نقاشی نے جو ترقی یورپ مین پائی ہے اُس سے ایشیا کے ممالک ابھی تک محروم ہین مسلمانون کو تو مذہبی ممانعت کا بہانہ اس دماغی محنت سے جی چرانے کا ایک اچھا حیلہ مل گیا تھا اور دوسری اقوام بھی ہمیشہ گری ہوئی حالت مین رہی ہین۔ بعض تصویرین جو ہم قصہ اور کہانیون کی کتابون مین دیکھتے ہین وہ فرضی اور بے ڈھنگم تصویرین ہوتی ہین جو نہ صرف اصل بلکہ اصل کی نقل اور اصل کی مشابہ اشیا سے بھی کوئی نسبت نہین ہوتی۔ ایسی تصاویر سے کوئی فائدہ مطلب حاصل نہین ہو سکتا۔ تصاویر ایسی ہونی چاہیین جو اصل کے بالکل مطابق اور ہو بہو ویسی ہی ہون۔ اُن کے دیکھنے سے انسان کی طبیعت پر ایک گونہ اثر اور اُس پر غور کرنے کی جانب طبیعت مائل ہوتی ہے اور اُس سے دلچسپی حاصل کرتی ہے۔ مثلاً جب ہم کسی تماشہ گر یا نائک کا تماشہ کرنے والون کا تماشہ دیکھتے ہین تو اُن کی نقلین اگر اصل کے مطابق اور صحیح نہ ہون تو طبیعت منغص ہو جاتی ہے اور دیکھنے کو دل نہین چاہتا۔ صرف اصلیت کی نقل سے طبیعت کو ذوق اور حظ حاصل ہوتا ہے۔ یہی حال تصاویر کا ہے۔

یہ بات بچون کے ساتھ عام طور پر پائی جاتی ہے کہ وہ تصویرون اور کھلونون اور حکایات

کے سننے کے نہایت مشتاق ہوتے ہین۔ ایک بہت چھوٹا بچہ بھی جب رونے لگ رہا ہو کسی رنگین کھلونے یا تصویر کے دکھلانے سے فوراً خاموش ہو جاتا ہے اور اپنے چھوٹے منھا دہ آنکھون سے غور کی صورت ظاہر کرتا ہے اور بڑے بڑے یعنی تین تین چار چار برس کے بچون کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ دن رات کھلونے جمع کرتے ہین کیونکہ تصویرین اُن کو ہمارے گھرون مین میسر نہین آسکتین۔ صرف صاف کی ہوئی لکڑی کا ٹکڑا اُن کو مل جاتا ہے تو وہ بھی اپنے کھلونون مین شامل کر لیتے ہین ٹوٹی ہوئی مٹی کا بخ اور چینی کے برتنون کے ٹکڑے اکٹھے کرتے ہین گول گول گولیون کے پاس رکھنے سے بہت خوش ہوتے ہین مٹی کے گھوڑے جو چھوٹے چھوٹے بھدے اور اصل سے غیر مشابہ ہوتے ہین اُنھین لے کر وہ اُن پر زین باندھتے ہین اور چھوٹی چھوٹی کھلونون کی گاڑیون کے آگے مٹی کے بیل جوڑتے ہین یہ رغبت کھلونون سے کھیلنے اور اُن سے خوش ہونے کی قریباً سب بچون مین یکسان پائی جاتی ہے۔

حکایتون اور کہانیون کے سننے سے بچے بہت رغبت رکھتے ہین یہان تک کہ جو بچے شام کو بہت جلد سو جایا کرتے ہین اگر اُن کو مغلانی یا گھر کی کوئی بڑی عورت یا بہن بھائی کوئی کہانی سنانے لگین تو اُن کی نیند جاتی رہتی ہے اور ایسے اشتیاق سے سنتے ہین کہ گویا اُن واقعات کے ساتھ اُن کو کوئی خاص واسطہ ہے کہانی سناتے سناتے اگر مغلانی نیند کے غلبہ سے سو جائے تو بچہ اس کو جگا دیتا ہے اور پوچھتا ہے کہ "بس اتنی ہی تھی۔ واہ تم تو سو گئین وغیرہ وغیرہ"۔

اہل یورپ نے جو ہمیشہ عام اور معمولی اور کم درجے کے معاملات پر غور کر کے اُن سے بہت بڑے بڑے نتائج پیدا کرتے ہین اور نہایت مفید مطالب ہین اُن کو استعمال کرتے ہین۔ بچون کی اس دلچسپی کو جو اُن کو تصاویر۔ کھلونون اور کہانیون کے سننے سے ہے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے مطلب مین استعمال کیا ہے اور بچون کی تمام ابتدائی تعلیم و تربیت کی بنیاد اس پر رکھی ہے کیونکہ بچون کی تعلیم مین اُن کی خواہش اور دلچسپی کا انھون نے جیسا کہ چاہیے تھا بہت لحاظ کیا ہے اور تعلیم کے قواعد ایسے رکھے ہین جن سے اُن کو مسرت اور راحت حاصل ہو اور تعلیم گران اور شاق نہ گذرے۔

مسلمانون مین جب کہ تصاویر اور کھلونون کا یہ حال ہے کہ اُن کے رکھنے کی اجازت نہین

دی جاتی تو کہان اور حکایتین بھی عجیب لا یعنی قسم کی ہین - فرضی اور خیالی قصہ بے معنی بے مطلب بے نتیجہ - سراسر جھوٹ - اور عقل و فکر سے خارج - یون جھوٹ بولنا سب گناہ کہتے ہین مگر اس جھوٹ سے پرہیز نہین کرتے - حال آن کہ درجے مین یہ کسی قسم کے جھوٹ سے کم نہین ہے - نہ اس مین کسی مصلحت کا بہانہ ہے اور نہ کوئی غرض مطلب اس سے وابستہ ہے اور یہ نہین جانتے کہ جب خود جھوٹ بول کر گناہ گار بن رہے ہوتے ہین وہ بچون کی طبایع پر بھی ایک ظلم کر رہے ہوتے ہین - بڑے بزرگ پچاس ساٹھ برس کی عمر کے جب اپنی معتبر صورتون کے ساتھ بچون کو خلاف قیاس اور خلاف عقل باتین سناتے ہین - خود سچ کے طور پر وہ اس کو ظاہر کرتے ہین - بچہ بھی آخر اسے سچ ماننے کے عادی ہو جاتے ہین اس سے ان کے قوائے عقلیہ کے عادات کو بہت بڑا صدمہ پہونچتا ہے کہ معقول اور نامعقول بات مین تمیز کرنے کی عادت نہین رہتی - جو کچھ سنتے ہین اس پر اس کے سچ اور معقول ہونے کی نظر سے کبھی غور نہین کرتے اور مانند ایسے حیوانون کے ہو جاتے ہین جن کے پاس جس قدر باتین کرو سب بلا اعتراض سن لین گے - جس طرح ان کی زبان قدرۃً بند ہے اسی طرح ان بچون کی زبان اس صنعت سے بند کر دی جاتی ہے -

مبارک ہین دانایان یورپ جنھون نے انھین قصون اور کہانیون اور اسی وقت سے جو ہم ایسے فضول طریقون مین صرف کر دیتے ہین ایسا مفید کام لیا ہے کہ ان کے گھرون پر خدا کی رحمت اور برکت برستی ہوئی دکھائی دیتی ہے - جو کہانیان اور حکایتین وہ بچون کو سناتے ہین وہ دنیا کی اور دنیا کی چند دن کی سچی اور صحیح باتین ہوتی ہین - وہ خود ہمارے مانند جھوٹ بولنے کے مجرم نہین بنتے اور بچون کو دنیا کا علم حاصل ہوتا ہے - ادب قواعد اور شرافت سیکھتے ہین جن امور کے سیکھنے کے لیئے بچے فطرۃً مشتاق اور خواہش مند بنائے گئے ہین -

ہمارے مانند نہ وہ خود بے عقل ہین اور نہ بچون کو بے عقل سمجھتے ہین وہ ان کو معقول اور معقول پسند جانتے ہین اور معقول تعلیم دیتے ہین - آخر ان کا عقل مند اور دانا ہونا ہماری آنکھون سے پوشیدہ نہین ہے - وہ بچون کے سامنے ایک نامعقول لفظ بھی زبان سے نکالنے مین احتیاط کرتے ہین - یہان تک کہ خادمہ عورتین اور دائین جو گیت گاتی ہین وہ بھی خالی از مطلب و منفعت نہین ہوتے - ہم نے انگریزی ماؤن کے گیت اور بچون کی لوریان دیکھی ہین وہ بھی

بڑے بڑے مطالب سے مملو ہیں۔ کسی کے ذریعے سے بچے کو ابجد سکھلائی جانی مقصود ہوتا ہے کسی میں کوئی دلچسپ تواریخی واقعہ بیان ہوتا ہے کسی سے اخلاقی تعلیم دینا مراد ہوتا ہے برعکس ہمارے حال کے کہ اگر بچوں کی لوریاں بھی ہیں تو ایسی فضول اور نقصان رسان ہیں کہ اگر اُن کا کچھ اثر بچوں کے دل پر ہوتا ہو تو اخلاق خراب کرنے کے لیئے وہ کافی اور بس ہوتی ہیں ہم اُن لوریوں میں سے ایک لوری بطور مثال کے یہاں پر درج کرتے ہیں۔ اُس کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ کس درجہ کی بے احتیاطی اور بے پروائی اُس سے ظاہر ہوتی ہے۔

لوری

تو سو مرے بالے تو سو مرے بھولے جب تک بالی ہے نیند
پھر جو پڑے گا تو دنیا کے پھندے کیسا ہے جھولا کیسی ہے نیند
کھیل تماشے تو کر لے سارے کہتی ہوں تجھ سے آنکھوں کے تارے
زندہ ہے ماں بھی باپ بھی بارے کر لے تو آرام سید پیارے۔
کھیل تم ایسے کھیلنا للنا جس میں نہ ہوں ماں باپ کا جلنا
دنیا سے ڈر ڈر سنبھل کر چلنا سکڑی ہے گھاٹی رستہ پھسلنا

سو مرے بالے.........

اس لوری میں اُس مضمون کو بھولے پن کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو مسلمانوں کی قوم پر تباہی کا ایک بہت بڑا باعث ہوا ہے۔ یعنی دنیا کے دکھڑے اور مصائب جس سے دنیا سے تنفر اور غیر مانوسیت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کی لوریاں ہیں جن میں سے اکثر تو بے معنی اور بے مطلب ہیں اور جن کا کچھ مطلب ہے وہ ایسا ہی فضول اور ضرر رسان ہے ہماری خواہش یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے امور پر ابتدا سے ایسی توجہ کی جاوے کہ اُن کے متعلق جس قدر حرکات ہوں کچھ مفید معنی اور مطلب رکھتی ہوں۔ اگر اس وقت بطور مقابلہ کے کوئی انگریزی گیت دایہ خانہ کا سنتا ہو تو ہم ذیل میں ایک گیت درج کر دیتے ہیں۔

A nursery Rhyme

Would you like to read today
What the letters do and say

The letter A
One Sunny day
Took letter B
To Tom's to tea
The letter C
Cried "Do take me"
The letter D
Said French "Oui! Oui.
But letter E
Cried "Let me be!"
And letter F
Was much too deaf
While letter G
Had hurt his Knee

2 With letter H
In naughty rage
Cried letter I
Quite cross "Pray why"
Has letter J
At home to stay,
If letter K
Can go away?"
Said letter L
"J is not well;"
Said letter M
"J has to hem
For letter N
Ani Baby Ben;"

3 Said letter O
"J's head aches so"
Said letter P,
"J cannot see;"
Said letter Q
"J cannot chew;"

4 Said letter R
"J lives too far;"
Said letter S
"J works for Bess;"
Said letter T
"J works for me;"

Said letter U	Said letter X
"For Harry too;"	"I will not vex;"
Said letter V	Said letter Y
"I is too wee;"	"I says good bye;"
Said letter W	Said letter Z
"I will trouble you;"	"I goes to bed."

اس گیت مین انگریزی ابجد کے حروف اور ان کے تلفظ نظم مین بہت عمدگی اور سادگی سے بیان کیئے ہین۔ اس سے بچے حسب دل خواہ بہت جلد سیکھ جاتے ہین۔

جو آفتاب صبح کو ہمارے ممالک پر طلوع ہوتا ہے وہی ممالک یورپ پر جیسا ایک گھنٹہ یا ایک دن یا ایک مہینہ یا ایک سال یا ایک حصہ بچون کی عمر کا ہمارے ملک مین گذر جاتا ہے ایسے ہی اُن لوگون کا جو یورپ کے مہذب ممالک مین بستے ہین۔ لیکن اس وقت مین ہم نے بچون سے کے سر مین فضول اور بے مطلب اور بے کار باتون کا انبار جمع کیا ہوتا ہے اور ان لوگون نے اپنے بچون کو اس عرصہ مین ایک سچا اور بیش قیمت علم سکھلا لیا ہوتا ہے۔ جن حکایات اور کہانیون کے ذریعے سے ہم اپنے بچون کی عقل تباہ اور ہوش برباد کرتے ہین انھین حکایات کے ذریعے سے وہ اپنے بچون کو تمام قسم کے علوم کے سادہ اور دل چسپ سبق پڑھا لیتے ہین جو اُن کی آیندہ زندگی کی باقاعدہ اور مستقل تعلیم کے لیئے بہت بڑی معاونت ثابت ہوتی ہے اور علاوہ اس کے چون کہ بچہ ایسے دقات مین جب کہ وہ کھیلنے سے فارغ ہو جاتے ہین ان عمدہ مشاغل مین مصروف رکھے جاتے ہین۔ شوخی اور شرارت کے خیال سے بچے رہتے ہین۔

وہ کہانیان اور سبق قریباً تمام مروجہ علوم کی ہوتی ہین۔ مثلاً زبان دانی۔ تحریر حساب۔ جغرافیہ۔ تواریخ۔ فن موسیقی۔ زبان ہاے غیر علم نباتات۔ مذہب۔ قواعد۔ علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ نقاشی۔ مصوری۔ طبعیات۔ طب وغیرہ وغیرہ۔ اُن کے تعلیم دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک رنگین تصویر یا کھلونا بچہ کے ہاتھ مین دے دیتے ہین جب اُس کی طبیعت اُس کی طرف رغبت کرتی کرتی ہے تو اُسی تصویر یا کھلونے کی نسبت بچہ کو ایک حکایت یا کہانی سُناتے ہین جو لفظاً

بچہ کے لیئے ایک دل چسپی ہوتی ہے لیکن درحقیقت اُن علوم مین سے کسی علم کا ایک عمدہ سبق ہوتا ہے۔ یا جب کہ بچہ کھیلتے کھیلتے کسی شے کی طرف مثلاً باغ مین کسی درخت یا پودے کی طرف متوجہ ہوتے ہین تو ایک حکایت وہان علم نباتات کی سناتے ہین جس کے تو دہرانے اور بچے سے کسی وقت سُننے سے وہ غافل نہین رہتے۔ اسی کھیل کھیل مین وہ سبق بچہ کو یاد ہو جاتے ہین اور آٹھ برس کی عمر تک بچہ اس قدر سیکھ جاتا ہے کہ آیندہ کی باقاعدہ تعلیم مین جو تعلیم کہ وہ آٹھ یا دس برس مین حاصل کرتا اس سعادت سے صرف دو یا تین برس مین حاصل کر لیتا ہے۔

اس اثنا مین زبان دانی بچہ کو سکھلانا شروع چاہیئے۔ اور اس تعلیم مین جیسا کہ جملہ علوم کی تعلیم مین ضروری ہے۔ بچون کی خواہش۔ برداشت۔ ذوق۔ رغبت۔ دل چسپی۔ اور مسرت کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہیئے اور ابتدا مین دس دس اور پندرہ پندرہ منٹ سے زیادہ ایک وقت مین نہ پڑھانا چاہیئے۔ بچہ کی طبیعت کو ہر وقت غور سے دیکھا جائے جب طبیعت برداشتہ ہوتی معلوم ہو سبق چھوڑ دیا جائے اور دوسرے وقت میلان طبع دیکھ کر پھر پڑھایا جائے۔

تحریر بھی بچون کو سکھلانی چاہیئے اور سادہ اور دل چسپ طریقون مین۔ اور شوق سے سیکھنے کے لیئے ایک نہ ایک وجہ اُن کے دل مین قائم کرنی چاہیئے مثلاً یہ کہ "تمھارا باپ جو سفر مین گیا ہوا ہے اُس کو خط تم اُسی وقت لکھ سکو گے جب لکھنا سیکھ لوگے" لیکن ہماری تحریر کے سکھلانے کے لیئے خود معلمون کو چند احتیاطین کرنا چاہیئین۔ ہماری زبان کی تحریر دیگر تحاریر سے بدرجہ نہایت ناقص ہے اور سیکھنے کے لیئے دیگر تحاریر کی نسبت زیادہ وقت چاہتی ہے۔ یعنی دیگر تحاریر مین مثلاً زبان انگریزی یا فرانسیسی وغیرہ کی تحاریر مین بچہ جب حروف کو پڑھ لیتا ہے تو لکھنے یا پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے کیونکہ اُن کے الفاظ حروف کی اُنھین صورتون سے بنائے جاتے ہین جو اصلی اور ابتدائی صورتین ہین۔ بعدہ کوئی تغیر اُن کی صورت مین نہین ہوتا مثلاً لفظ "Good" یا "Bad" ایسے ہی حروف سے بنے ہین جو کہ ایسی ہی صورتون مین سکھلائے گئے تھے برخلاف ہمارے طرز کتابت کے کہ الفاظ مین حروف کی بجنسہ وہی صورتین قائم نہین رہتین اور بچہ صرف حروف کو پڑھ کر الفاظ کی شناخت کے لائق نہین ہو سکتا۔ اور ایک عرصہ اس غرض کے لیئے ضروری ہوتا ہے کہ اتصال حروف سے جو صورتین الفاظ کی

بنتی ہین اُن سے آگاہ ہوجاے۔ مثلاً الفاظ "مضمحل" "مختلف" "مکارم" "معین المہام" پہلا لفظ ان مین سے پانچ حروف سے مرکب ہے جن کی سواے ایک کے اصلی صورتین تبدیل ہوگئی ہین۔ جو یہ تھین۔ م۔ ض۔ م۔ ح۔ ل۔ اور ایسے ہی دوسرے تیسرے اور چوتھے کی۔ بچون کو اس ترکیب سے واقف ہونے کے لیئے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے اور چونکہ کتابت حصول علم کا ایک دروازہ ہے۔ بس اُسی دروازے مین سے گذرنے مین ایک غیر ضروری وقت حرج ہو جاتا ہے۔ پرنس ملکم خان صاحب سفیر ایران متعینہ انگلستان نے تو یہ کہدیا ہے کہ مسلمان ترقی علوم مین نہین کرسکتے جب تک کہ وہ اپنی کتابت کو نہ چھوڑین یا تبدیل کرکے اُس کی اصلاح نہ کرلین۔ اور ہماری رسم کتابت مین تبدیلی کرکے ایک نئی رسم کتابت ایجاد کی ہے اور چند کتابین زبان فارسی کی اُس مین چھاپی ہین لیکن جیسا کہ یہ خیال زیادہ تر ایک وسوسہ ہونے کی طرف مائل ہے ایسی ہی اس جدید رسم کے رواج مین ڈالنے کی کامیابی معلوم۔ یورپ مین بھی ایک وقت مین بعض اصلاح پسند طبایع کو یہ خیال پیدا ہوا تھا لیکن مخالفت نے اُس کو راستہ سے اُٹھا کر ایک خبط ثابت کردیا اور ہمیشہ کے لیئے وہ خیال معدوم ہوگیا۔ جب یورپ کی تغیر و انقلاب و اصلاح پسند طبایع نے اس خیال سے ایسا سلوک کیا ہے تو ایشیا کے سرگرم مقلد اور رسم و رواج کے بندے خدا جانے کیسا عجیب کرشمہ دکھائین گے۔ با این ہمہ یہ تسلیم کرلینا پڑتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی اور بہت سے نمایان نقص ہماری رسم کتابت مین ہین۔ لیکن سردست تو صرف اس قدر احتیاط کرنی چاہیے کہ حروف کی مرکب صورتون کو زیادہ مرکب یعنی مرکب المرکب بناکر اس مشکل کو بڑھانا نہ چاہیئے جیسا کہ دستور ہے کہ دو دو تین تین الفاظ کو ملاکر ایک لفظ کی صورت مین لکھا جاتا ہے اس طریق کو چھوڑکر الفاظ کو مفرد اور واحد ہئیت مین لکھنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ مثلاً الفاظ "بلکہ" "عنقریب" "حالانکہ" "علیحدہ" وغیرہ کو اس صورت مین نہ لکھنا چاہیئے اور صحیح طریقہ اُن کے لکھنے کا یہ ہے "بل کہ" "عن قریب" "حال آن کہ" "علی حدہ" اس سے یہ مشکل کسی قدر سہل ہوجاے گی اور بچے نسبتاً جلد ترقی کرین گے۔

تمام علوم اگرچہ بجاے خود فواید و منافع سے مملو و مشحون ہین لیکن بچپن کی تعلیم کے لیئے علم طبیعات۔ نقاشی۔ اور بعض اوقات علم نباتات کو بہت ترجیح دی گئی ہے۔

سپنسر صاحب علم طبیعات کی تعلیم کا بچپن میں مفید ہونے کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ:-

"اب بیکن صاحب نے اس مقولہ پر کہ علم طبیعات ہی علم حکمت کی بنیاد ہے سررشتہ تعلیم میں"
"کچھ غور و توجہ ہونے لگی ہے۔ تا وقتیکہ ہم اشیاے دنیوی کے اوصاف و خواص ظاہری"
"و محسوسہ سے بخوبی آگاہ نہ ہو جائیں ہم صحیح نتائج نہیں نکال سکتے اور نہ اپنے"
"عمل و طریقہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ اُن کی نسبت درست خیالات اپنے"
"دل میں قائم کر سکتے ہیں۔ اگر بچوں کے حواس و قواے عقلی سے کام نہ لیا جاے"
"تو بیکار رہو جائیں ان کی تعلیم میں ایسی مجہولیت اور خرابی واقع ہو جاے کہ"
"جن کا علاج عقب سے کرنا ناممکن ہو"

اسی طرح فن نقاشی کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ

"ان دنوں میں نقشہ کشی جزو تعلیم خیال کیا جاتا ہے اور یہ امر اس بات کا کہ ذہنی و"
"عقلی تعلیم و تربیت پر زیادہ توجہ کی جاتی ہے ایک ثبوت بھی ہے۔ یہ بات ظاہر ہے"
"کہ اب معلمین آخرش اس طریقے کو جس کی طرف فطرت ہمیشہ توجہ دلاتی ہے اختیار"
"کرنے لگ گئے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ بچے خود بخود اپنی مرضی سے آدمیوں۔"
"درختوں۔ جانوروں وغیرہ کی تصویریں سلیٹوں ہی پر اگر کوئی اور عمدہ چیز نہیں"
"ملتی کھینچا کرتے ہیں۔ یا اگر پا سکیں تو سرسہ کی پنسل سے کاغذ پر ایسی تصویریں بنایا"
"کرتے ہیں۔ کسی با تصویر کتاب سے تصویروں کا دکھانا تو اُن کے لیئے نہایت ہی"
"مسرت بخش ہوتا ہے۔ اور چونکہ اُن میں نقل و پیروی کرنے کی نہایت خواہش"
"و رغبت ہوتی ہے اس لیئے ویسی ہی تصویریں کھینچنے کا حوصلہ و خواہش اُن کے"
"دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اُن عجیب چیزوں کی جنھیں وہ دیکھتے ہیں تصویریں"
"کھینچنے سے اُن کے ادراک و خیالات کا اظہار ہوتا ہے اور اس طرح پر اُن کے"
"مشاہدے زیادہ صحیح اور کامل ہو جاتے ہیں۔ چیزوں کے محسوسہ اوصاف کے"
"دریافت کرنے اور اُن کو ہمارے سامنے بیان کرنے اور تصویر وغیرہ کھینچ کر ہمکو"

"ہم سے وہ یہ التجا کر رہے ہوتے ہین کہ اسی قسم کی تعلیم کی وہ بہت ضرورت"
"رکھتے ہین اور ہم کو اُس کے انتظام کرنے کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے"

اس کے بعد صاحب موصوف بہ دلائل یہ امر بیان کرتے ہین کہ نقاشی مین سب سے پہلے رنگ سازی کا کام سکھلانا چاہیئے کیون کہ شوخ رنگون اور ایسے رنگ والی چیزون کی طرف قدرتی میلان رکھتے ہین۔

علم نباتات کو بعض اوقات بچون کی تعلیم کے لیئے بہ ترجیح بیان کیا گیا ہے مگر اُس کے سبق سادہ اور سہل ہونے چاہئین جن کو بچے کھیتون مین یا باغچون مین ہر وقت دیکھتے ہین اور اُن کے ساتھ کھیلنے کی فطرتی رغبت اور خواہش رکھتے ہین۔

لیکن بچون کی تمام تعلیم مین اُن کی گوناگون خواہشون اور رغبتون کے پورا کرنے سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔ کسی ایک مضمون کا سبق جب ایک وقت دیا جاے اور بچے کی طبیعت برگشتہ ہوتی معلوم ہو تو اُن کو تصاویر کے دکھلانے یا تواریخ وغیرہ کے کسی زیادہ دلچسپ سبق کی طرف مائل کرنا چاہیئے۔

نظم کے پڑھنے اور یاد کرنے کی طرف بھی بچون کی طبیعت مائل ہوتی ہے۔ لیکن ہماری زبان کے ناپاک نظم اس قابل نہین ہین کہ بچون کا اُن کی ہوا سے مس ہونا بھی ہم گوارا کرسکین تاہم کوشش کرنے سے اچھی نظمین آج جمع ہوسکتی ہین۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم عن قریب اس قسم کا ایک نسخہ بچون کی تعلیم کے تیار کرین جو خدا کی عنایت سے امید ہے کہ بہت دیر مین نہ ہوگا۔

دوسرا باب

جسمانی یا بدنی تعلیم

پروفیسر بلیکی نے ایک عمدہ تشبیہ سے یہ بات سمجھائی ہے کہ

"ہر موجودشے قیام کے لیئے ایک بنیاد رکھتی ہے۔ اُگنے کے لیئے جڑ۔ اور گھومنے کے"
"لیئے ایک چول۔ کوئی گھر بغیر بنیاد کے نہیں اُٹھ سکتا۔ اگرچہ بنیاد کی عمارت بہ ظاہر"
"صورت کوئی فائدہ نہیں رکھتی اور تاریکی میں پوشیدہ ہوتی ہے مگر درحقیقت تمام"
"بالائی عمارت کا اسی پر ہوتا ہے۔ یہی نسبت انسان کے قوائے ذہنی اور اُس کے"
"جسم اور قوائے ذہنی کی چستی اور جسمانی صحت کے درمیان ہے۔ اگر یہ تشبیہ صحیح ہو تو"
"ظاہر ہے کہ ایک طالب علم کے لیئے اپنے گوشت اور خون کو عمدہ حالت میں رکھنے"
"سے زیادہ کوئی چیز قابل احتیاط کے نہیں ہے۔"

اسی بات کے سمجھنے کے لیئے اس سے عمدہ مثال بھی دی جاسکتی ہے کہ جو تعلق ایک پودے اور اُس کے پھول یا ایک درخت اور اُس کے پھل میں ہے وہی رشتہ انسان کے جسم اور اُس کے ذہنی قویٰ میں ہے۔ اگر درخت اور پودے کی باقاعدہ پرورش نہ کرکے پھل اور پھول کی امید رکھی جائے تو درحقیقت یہ ایک بہت بڑی غلطی ہوگی۔ حفاظت اور احتیاط اسی دن سے شروع ہوتی ہے جب کہ بیج زمین میں بویا جائے اور نرم پودے اور نوخیز درخت سب سے زیادہ معرض خطر میں ہوتے ہیں۔ ایک گرم ہوا کے جھونکے یا سرد ہوا کے صدمہ سے اُن کے کملا جانے کا خوف ہوتا ہے اُن کی جڑیں نازک اور بہت تھوڑی زمین کے اندر پہونچی ہوئی ہوتی ہیں ایک ذرا سے تند صدمہ سے اُن کے اکھڑ جانے اور نابود ہو جانے کا احتمال ہوتا ہے پس جب کہ احتیاط کی ضرورت ہے تو اس سے علم احتیاط کے جاننے والے کی ضرورت لازمی آتی ہے۔

ایک بچے کو اگر ہم نے ایک نوخیز پودے یا درخت سے تشبیہ دی ہے تو ہم نے کچھ بھی غلطی

نہین کی کیون کہ بچے کی خاموشی اور بے زبان صورت بھی اپنی حالت کے اظہار کے لیے چند ایسی علامات رکھتی ہے جو عام انسانی علم مین کوئی معنی اورمطلب نہین بیان کرسکتین لیکن جس طرح کہ پودون اور نوخیز درختون کی حفاظت اور پرورش کے بیلئے ایک علم مرتب ہوا ہے اسی طرح ابناے انسان کی ایام طفولیت مین حفاظت اور نگہداشت کے لیئے قواعد ترتیب دیئے گئے ہین جو کسی قدر روزمرہ کے تجربون پر اور زیادہ تر علم الانسان کے محققہ اصولون پر مبنی ہین اگر یہ صحیح ہے کہ انسان کی ذات سے ترقی نوع انسان بھی ایک غرض ہے اور دنیا ومافیہا کا وجود اپنے تمام نظم اسباب کا نتیجہ انسان پر ختم کرتا ہے تو اس سے زیادہ ضروری انسان کے لیئے کچھ نہین ہے کہ سب سے پہلے علم الانسان کو سیکھے مسلمانون کو اُن کے ہادی برحق نے یہ مضمون ایسی عمدگی سے تعلیم کیا تھا کہ شاید اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہ تھا جب کہ اُس نے یہہ فرمایا تھا کہ :-

العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان

اس کے بھی یہی معنی ہین کہ علم الابدان جس مین انسان کی صورت ظاہری اور محسوسات و لمسیات جسمانی سے بحث ہے علم الادیان پر جس مین انسان کے محسوسات وکیفیات روحانی سے بحث ہے مقدم ہے مگر ہمارے زمانے کے مسلمانون نے اگر کچھ اس کے سمجھے ہین تو یہ کہ علم الابدان سے غرض علم الحیوان ہے یعنی بٹیرون تیترون۔ کبوترون اور مرغون کو پالنا۔ جو اس فن کے دلدادہ اور مشتاق ہین وہ دنیا کے اور تمام دھندون سے گئے گذرے ہوے رات دن ان کی گھٹیان۔ تیاریان اور جلاب کرنے مین مصروف رہتے ہین۔ اسی مشرب اور قماش کے ان کے دوست آشنا ہین جن سے وہ ملتے اور جن کی صحبت مین بیٹھتے ہین گھنٹون اس مضمون پر بحث ہوتی ہے ان جانورون کے رنگ۔ اقسام اور نسلون کی تحقیقات کی جاتی ہے اور نئے نسخے اُن کے لیئے تجویز کیئے جاتے ہین۔ دو پیسہ کے بٹیرنے اگر اپنے اصلی جوہر کھولے ہین تو انھین پرکہ سو روپیہ تک کو خرید لینے مین دریغ نہین کیا۔ گو اُسی رات کو بلی کھا گئی ہو یا صبح آنکھ پرنچہ لگا کر بھاگ گیا ہو۔ ایک دوسرا گروہ ہے جو گھوڑون یا اور جانورون کی پرورش کا شائق اور مشتاق ہے اُنھون نے بھی اپنی زندگیان اور اوقات عزیز اسی وسیع مضمون کے نذر کردیئے

رہین۔ مین نے ایک شخص کو دیکھا ہے جو شب و روز اپنے علاقہ کی گھوڑیون اور بھینسون کے شجرہ نسب تیار کرنے مین مشغول رہتا ہے جب کوئی شخص اُس کو گھوڑی یا بھینس دکھلاتا ہے یا جس پر اس قسم کا اشتباہ ہوتا ہے اُس کو پاس بٹھا کر گھنٹون اس قسم کے حالات دریافت کرتا ہے اور اُن پر دماغ سوزی کرتا ہے۔ اُس کے نہ رہنے پر مجھے یہ ضرور افسوس ہوگا کہ ہمارے علاقہ کے گھوڑون اور بھینسون کا شجرہ نویس چل بسا کہ شجرہ دان اُس تمام بے بہا خزانہ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اولاد اُس شخص کی ایسی نالائق ہے کہ شہر بھر مین ضرب المثل۔ مگر اس خیال نے کبھی اُس کے دماغ کو مس بھی نہین کیا ہوگا۔ یہی حال اُن تمام لوگون کا ہے جو ایک نہ ایک بُری لت رکھتے ہین ۔۔۔ کو حاصل کام زندگی کا مقصد خیال کرتے ہین۔ اور اس سے بڑھکر یہ کہ بچون کے پالنے کا تو اُن کے نزدیک کوئی حصہ ہی نہین ہے۔ بلکہ اُس کو عار سمجھتے ہین اور کہتے ہین یہ عورتون کا کام ہے۔ مردون کو اس جھنجھٹ سے کیا کام۔

ہماری قوم کی غریب اور مسکین عورتین اپنے اس نازک فرض کو وہین تک ادا کرسکتی ہین جہان تک عام رواج نے اُن کو تعلیم دی ہے۔ کیونکہ بطور ایک فن کے اُن کو بھی کچھ نہین سکھلایا جاتا۔ اُن کے علم کا تمام خلاصہ یہ ہے کہ جہان بچہ رویا اُنھون نے سمجھا کہ بھوکا ہے اور دودھ پلانے لگین۔ اگر اس پر خاموش نہ ہوا تو کڑک کر جھنجھوڑ دیا۔ یون بھی نہ مانا تو غصہ کھا کر زمین پر پٹخ دیا بہت رحم کھایا تو چارپائی پر لٹا دیا یا ایک دو تھپڑی پر اکتفا کی۔ وہ اور کیا کرین ہماری غفلت ایک اور اُن کی بے علمی دو۔ ان کا نتیجہ بچے کی بے تحاشا چیخین ہین۔ سب نے مل کر اُس کا دم ناک مین کر رکھا ہوتا ہے۔ ایک ایسی بات جو ہماری تھوڑی سی واقفیت یا کوشش سے علاج پذیر ہوسکتی تھی اُس غریب کے لیئے بلائے بے درمان بن رہی ہوتی ہے۔ آخر انسانی بچہ ہے۔ بڑے بڑے قوی جذبات کو بھی رنج اور تکالیف بعض اوقات مٹا دیتے ہین۔

ان سب شکایتون اور بے احتیاطیون کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ بچون کی موت۔ اس سے بچ رہا تو بیماری۔ مین حیران ہوتا ہون جب مین یہ سوچتا ہون کہ ہمارے ہان بچون کی بیماری ایک ایسی لازمی شے سمجھی جاتی ہے کہ جیسے بڑھون کی موت اٹل ہوتی ہے۔ بیماریان بعض بعض نہایت خوفناک ہوتی ہین۔ اگر وہ موت پر ختم ہون تو کسی ایک عضو کو ۔۔۔

ہین۔ بیماریون کی تشخیص عورتین یہ کرسکتی ہین کہ نظر لگ گئی یا پرچھایان پڑگیا۔ علاج اس کا دم درود منتر۔ جھاڑا۔ گنڈا۔ تعویذ۔ اور صدہا طرح کی لغو اور بیہودہ حرکتین۔ اگر ان سب سے افاقہ نہ ہو تو آخری ٹھکانا پیر و مرشد کی درگاہ ہے۔ عورتین بچون کو بے کردور مقامات کی خانقاہون پر منتین ماننے اور استمداد کے لیئے جاتی ہین۔ اگر بیماری اس قسم کی ہوئی کہ تبدیل آب و ہوا سے فائدہ ہوگیا تو مرشد کی کرامات سے مستفیض ہوگئے۔ اور اگر حرکت کرنے سے بیماری کو اور ترقی ہوئی یا گھر آگر بچہ ضایع ہوگیا تو مخدوم روحانی کی ناراضی کا ثبوت سمجھا گیا۔ مان بچہ کو روتی ہوئی یہ کہتی جاتی ہے کہ "مین تو سمجھی سے اس بُرے دن کو جان گئی تھی جب اس جان ہارے نے درگاہ کے قریب پیشاب کردیا تھا"۔ بیماریان بچون کو اُن کی ایک اچھی عمر تک نہین چھوڑتین مگر بنیاد سب کی بڑی وقت سے رکھی جاتی ہے۔ ان عوارض کی مداومت اعضا اور قواے جسمانی کو خراب کردیتی ہے اور اسی سے روحانی اور ذہنی قوی شگفتہ ہونے سے رہ جاتی ہین۔ حواس باطل۔ خیال ضایع۔ اور حافظہ اور سمجھ برباد ہوجاتی ہین۔ تمام قواے باطنی کی ترقی اعضاے جسمانی کی نمو اور ترقی کے ساتھ ہے جب یہ ترقی بند ہوتی ہے تو وہ بھی بڑھنے سے رہ جاتے ہین۔ فاضل سپنسر نے کہا ہے کہ "بیماریان صرف جسم کو نہین خراب کرتین بل کہ حواس مختل اور قواے عقلیہ کو درہم برہم کردیتی ہین"۔ لارڈ بیکن کا قول ہے کہ "بیماری جسم اور عقل دونون کو برباد کرتی ہے"۔ ایک فاضل کا جب مین نے یہ قول پڑھا کہ "صحت سے خوب صورتی قائم رہتی ہے اور خوب صورتی شرافت کا فخر ہے"۔ تو مجھ کو اپنے ملک کے شرفا کا خیال آیا کہ مین نے سب سے اونچے خاندانون کے اکثر لوگ بدصورت اور بدوضع دیکھے تھے۔ وہ لوگ شرافت اپنے خون کے اجزا مین سرایت کی ہوئی سمجھتے ہین۔ دران حالے کہ جیسے مین نے پیش تر لکھا ہے شرافت صرف اُس شریفانہ پرورش کا نام ہے جو بچون مین صحت۔ تن درستی۔ خوب صورتی۔ شریف عادت۔ شریف خیالات۔ شریفانہ حرکات و سکنات۔ نیک چلن۔ نیک خو پیدا کرے۔

ایک اور گروہ ہے جو بچون کی بیماریون کا معالج ہوتا ہے یعنی ہمارے ملک کی دائیان۔ وہ جاہل اور ناخواندہ ہوتی ہین۔ نہ بیماری کی اصلیت سمجھ سکتی ہین نہ تشخیص کرسکتی ہین مجبور عورتین اُن پر اعتبار اور بھروسہ کرلیتی ہین اور بچون کو اُن کے حوالے کردیتی ہین۔ اُن کے علاج سے

گھرانے کو برباد ہوتے ہوں مگر ملک الموت ضرور خوش ہوتا ہوگا۔ ان کی کڑوی گھٹی مانند ایک کامن کی یعنی عام کنجی کے ہوتی ہے جو سب گھڑیوں کو لگ جاتی ہے وہ بھی تمام بیماریوں کے لیئے وہی گھٹی تجویز کرتی ہیں۔ یا اُن کی کسی ایسے سیانے تک رسائی ہوتی ہے جو گنڈے تعویذ کے کام میں ید طولیٰ رکھتا ہو۔ یہ ہے حال ہم لوگوں کا۔ اور یوں پرورش کرتے ہیں ہم بچوں کی۔ جب کہ وہ چھوٹے ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر سپنسر نے جہاں بچوں کے ساتھ نامناسب سلوک کرنے کے بد نتائج بیان کیے ہیں وہاں نہایت دردناک کلمات میں یہ کہا ہے کہ

"ان لاکھوں زندگیوں کے ساتھ جو ضایع ہو جاتی ہیں۔ دیکھو کہ جمع کرو جو کم زور "
"جسمانی حالت کے ساتھ رہ جاتے ہیں اور نیز وہ صدہا ہزار ہیں کہ جسمانی حالت ایسی "
"عمدہ اور مضبوط نہیں ہوتی جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی تو تم کو اُس قابل نفرت بدبختی کا "
"اندازہ کرنے کا موقع ملے گا۔ جو قوانین زندگی کے جاہل والدین کے ہاتھوں سے "
"اُن کی اولاد پر نازل ہوتی ہے۔ صرف ایک لمحہ کے لیئے خیال کرو کہ وہ قاعدے جن کے "
"بچے متحمل بنائے جاتے ہیں وہ یا تو اُن کے فائدے کا باعث ہو رہے ہیں یا عمر بھر کی "
"تکلیف اور دکھ کا۔ اور یہ کہ جہاں ایک عمل صحیح ہے وہاں سب عمل غلط ہیں تو تم کو اُس "
"بے حد و حساب نقصان کا اندازہ کرنے کا موقع ملے گا جو اس بے معنی اور پُرخطر مروج "
"سلسلہ سے ہو رہا ہے۔ کیا یہ فیصل شدہ امر ہے کہ ایک بچہ ہمیشہ پتلے کپڑے کی اور چھوٹی "
"پوشاک پہنایا جائے اور سردی سے سُرخ ہوئے ہوئے ہاتھ پاؤں اور بدن کے "
"ساتھ کھیلنے دیا جائے تو یہ فیصلہ اُس کی تمام آئندہ زندگی پر اثر کر رہا ہوتا ہے۔ یا وہ "
"بیمار ہو جاتا ہے یا اُس کے جسم کی ترقی کم ہوتی ہے یا قویٰ پر کم زوری کا صدمہ پہنچتا "
"ہے یا جوانی میں اُس سے کم قوت جسم میں ہوتی ہے جس قدر کہ ہونی چاہیئے تھی اور "
"اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامیابی اور خوشی سے محروم رہتا ہے۔ کیا بچوں کی قسمت "
"یہی ہے کہ یا تو اُن کو ہر وقت اور مسلسل طور پر کھلایا جائے یا ایسی غذا دی جائے جس "
"میں پرورش کے اجزا بہت کم ہوں؟ تو آخرکار اُن کی جسمانی قوت اور مردانہ یا زنانہ "

"اوصاف اس سے ضرور کم و بیش کم ہو جاتے ہین۔ کیا اُن کو پُر شور و شرارت کھیلون"
"سے منع کیا جاتا ہے۔ یا بہت زبون پوشاک پہنا کر باہر نکلنے سے روکا جاتا ہے"
"یا سرد موسم مین اُن کو گھرون مین محفوظ رکھا جاتا ہے؟ تو اس سے یقیناً وہ اُس"
"صحت کے اندازہ سے گرجا مین گے جس تک وہ بہ صورت دیگر پہونچے ہوتے۔"
"جب بچے کمزور اور بیمار ہوتے جاتے ہین تو والدین اس کا سبب بدقسمتی سمجھتے ہین"
"یا تقدیر کا معاملہ خیال کرتے ہین۔ مروجہ بے ہُدہ طریقون پر خیال کرکے وہ یہ کہتے"
"ہین کہ یہ سب بُرائیان بے سبب پیدا ہوتی ہین یا یہ کہ اُن کے اسباب مافوق الفطرت"
"ہین۔ حال اُن کہ اس قسم کا کچھ نہین ہے بعض حالات مین اسباب بے شک موروثہ"
"ہوتے ہین لیکن زیادہ حالات مین اُن کے اسباب وہ احمقانہ قواعد ہوتے ہین عموماً"
"اس درد کم زوری۔ اس ضعف پستی اور اس بدبختی کے جواب دہ والدین ہوتے ہین"
"اُنھون نے بچون کی زندگیون کا ساعت بہ ساعت اہتمام کرنا اختیار کیا ہے۔ بے"
"رحم بے احتیاطی کے ساتھ اُنھون نے اُن حیات بخش عملیات کی نسبت علم حاصل کرنے"
"سے غفلت اختیار کی ہے جو اپنے احکام اور موانعات سے متواتر اثر کر رہے ہوتے"
"ہین علم موجودات کے سادہ قواعد سے بھی وہ محض جاہل اور ناواقف ہین۔ وہ"
"سال بہ سال بچون کے جسمانی حالات تباہ کرنے کے لیئے پوشیدہ سرنگ لگاتے"
"رہتے ہین اور اس طرح سے نہ صرف بچون پر بل کہ اُن کی اولاد پر بیماری اور قبل"
"از وقت موت لے آنے کا باعث ہوتے ہین" "

مگر ہمارے ہان یہ خرابیان اس سے بھی بدرجہا زیادہ ہین تاہم ہم سوائے چند مختصر ہدایات کے بچون کے جسمانی سلوک کی نسبت کچھ زیادہ لکھنے کی گنجائش نہین رکھتے۔
اُس زمانے کی نسبت جب کہ بچہ مان کا دودھ پینے کا محتاج ہوتا ہے مجھ کو یہ بتا دینا چاہیئے کہ بچے کے دودھ پلانے کا ایک خاص قاعدہ ہونا چاہیئے پہلے مہینے مین بچے کو دو دو گھنٹے کے بعد دودھ دینا چاہیئے دوسرے مین اڑھائی اڑھائی گھنٹے کے بعد تیسرے مین تین تین گھنٹے کے بعد جون جون بچہ عمر مین بڑھتا جاتا ہے غذا کی احتیاج کم ہوتی جاتی ہے۔ بعض

مائون کا قاعدہ ہے کہ رات کو سوتے ہوئے بچہ کو جگا کر دودھ پلانے لگتی ہین۔ یہ مان اور بچہ دونون کے لیے مضر ہے۔ رات کے وقت بچہ کو کسی غذا کی ضرورت نہین ہوتی۔ اس سے اکثر نفخ اور قولنج اور سوئے ہضمی پیدا ہوتی ہے۔ مین نے بعض آدمیون کو دیکھا ہے کہ بچون کو افیون کھلاتے ہین۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ کوئی منشی چیز بچے کو سوا ے کسی خاص ضرورت اور طبی مشورے کے نہ دینی چاہیئے۔

یہ ایک اور ضروری احتیاط ہے کہ بچون کو سردی سے محفوظ رکھا جاے۔ سر ایرینز ولسن کا قول ہے کہ "چھوٹے بچون کی اموات کا ایک بڑا حصہ صرف سردی سے واقع ہوتا ہے اور ایک ماہ کے بچے سردی کے دنون مین بہ نسبت گرمیون کے دوچند مرتے ہین" گو ہمارے ملک کی آب و ہوا کو اس قول کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت نہ ہو مگر سردی سے حفاظت کرنا ہر حال مین ضروری ہے۔ نرم اور گرم کپڑے مین لپٹا ہوا بچہ مان کی گود مین رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کی طبعی گرمی ہر وقت اُس کے لیے کفایت کرتی ہے۔ بچون کو شیر گرم پانی سے اکثر دھوتے رہنا چاہیئے۔ اکثر مائین ٹھنڈے پانی سے بچون کو نہلاتی ہین وہ نہایت چیخ چیخ کر روتے ہین مگر اس کی کچھ پرواہ نہین کی جاتی اس سے بچے کئی طرح کے عارضون مین گرفتار ہو جاتے ہین بچے کے سر کو اکثر دھونا چاہیئے۔ بال سر پر چھوٹے رکھنا چاہیئن۔ اور اُن مین کسی قسم کا تیل نہ لگانا چاہیئے۔ بچون کو رات کے وقت بہت دیر جاگتے رکھنا مضر ہے۔ سونے کا کمرہ گرم ہونا چاہیئے۔ ٹھنڈی ہوا کے صدمے سے بچے محفوظ رہین مگر کبھی آگ سے سینک کر اُن کو گرم کرنے کی کوشش نہ کرنی چاہیئے اس سے آنکھ کی بیماریان پیدا ہوتی ہین۔ صبح شام بچون کو ہوا کھلانے کے لیے مکان سے باہر لے جانا چاہیئے مگر ٹھنڈی ہوا اور آفتاب کی شعاع سے بچانا چاہیئے۔ اگر بچہ کو بیماری کی شکایت ہو جاے تو کسی لائق ڈاکٹر یا قابلہ دائی سے علاج کرانا چاہیئے اور علاج کرانے مین سستی اور تساہل نہ کرنا چاہیئے بیماری جب بڑھ جاتی ہے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔

بچے جب اس بے خبری اور نادانی کے عالم سے نکل آتے ہین تو مسدہ درخت بھی مانند اُن کے مضبوط جڑین پکڑ لیتا ہے جس قدر اُن کے اعضاے۔ قوای۔ اور ضروریات ترقی کرتی جاتی ہین اُسی قدر اُن کی پرورش کا علم بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔ اخذ تصورات کی خاموش قوت دوسری

صورت پکڑتی جاتی ہے یعنی دماغ مین قوت احساس پیدا ہونے لگتی ہے اور حس انسانی دماغ سے اپنا تعلق پیدا کرتے جاتے ہین مگر جسمانی امور کے لحاظ سے اہتمام کے قابل وہی چیزین ہوتی ہین جو بچے کی روزانہ ضروریات ہین۔ مثلاً خورش۔ پوشش اور عام سلوک ساتھ جسم کے۔ گویا یہی تین مختصر ضرورتین ہین جو ایک ہی جملہ مین بیان ہوگئی ہین۔ مگر غلطی کرنے والون نے ان مین بھی اس قدر غلطیان عام رواج مین ڈال دی ہین کہ بچون کے حالات پر سوچنے والون کا دل بے تڑپے نہ رہے گا۔ ہم لوگون مین دنیا کی بے ثباتی اور انسان کی ہستی کا ہیچ اور پوچ ہونا یہان تک دماغون مین بٹھایا گیا ہے کہ اُس کا نتیجہ دنیا سے قطع تعلق اور جسم سے بے پروائی پیدا ہوئی ہے۔ حال آن کہ خلاق اکبر کے قانون کا منشا صاف طور پر یہ نظر آرہا ہے کہ دنیا اور اُس مین کی چیزین آپس مین ایسی لازم وملزوم پیدا کی گئی ہین کہ وہ اگر ایک دوسرے کو چھوڑنا چاہین تو ہرگز نہین چھوڑ سکتین تو خالق کے منشا کے برخلاف کوشش کرنا یا ایسے خیالات پیدا کرنا بھی جس قسم کی حماقت ہے وہ دیکھا جاتا ہے اور لطف یہ ہے کہ جو ایسی بزدلی سے دور بھاگنا چاہتے ہین وہی زیادہ پھنستے اور محتاج ہوتے ہین۔ پس ایسی غلطی مین کبھی نہ پڑنا چاہیئے اور یقین کر لینا چاہیئے کہ ہم دنیا کے لیئے ہین اور دنیا ہمارے لیئے ہے۔ نہ ہم اُس سے چھوٹ سکتے ہین اور نہ وہ ہم سے جو فرائض ہماری نسبت دنیا اور اہل دنیا کے ہین اُن کا نہ ادا کرنا ہی سب سے بڑا گناہ قانون الہی کا ہے جس سے پناہ مانگنا چاہیئے۔ تو جس شئے کو ہماری براہ راست تعلق دنیا اور اُس کے اسباب سے ہے وہ ہمارا جسم ہے جسم کی درستی جسم کی اصلاح جسم کی صحت اور جسم کی بہمہ وجوہ قابلیت درکار ہے تاکہ ہم اپنے اُن فرائض کو کماحقہ ادا کرسکین۔ اسی لیئے دنیا کے دانا کہلانے والون کا آج یہ مقولہ ہے کہ ”زندگی مین کامیابی کی پہلی شرط ایک عمدہ حیوان ہونا“ ہے۔ اور وہ بہت زور کے ساتھ یہ کہتے ہین کہ ”عمدہ حیوانون کی قوم ہونا قومی اقبال اور ترقی کی سب سے پہلی شرط ہے۔ نہ صرف اس لیئے کہ جنگ کے واقعات کا فیصلہ اکثر سپاہیون کی قوت اور مضبوطی کے حق مین ہوتا ہے۔ نیز اس لیئے کہ تجارت کے مقابلہ مین آخر وہی سبقت لے جاتے ہین جو جسمانی برداشت کی قابلیت والے زیادہ پیدا کرسکتے ہین“۔ اب مین کہتا ہون کہ نہ صرف دماغی تحصیلات کا میدان انھین کے ہاتھ مین رہتا ہے بل کہ دنیا کی

ہر ایک شے اُنھین کی اطاعت اپنا فخر سمجھتی ہے جو جسمانی طاقت کے قابض اور مالک ہوتے ہین۔ تو یہ جسمانی طاقت اور جسمانی درستی اور حیوانیت کے عمدہ اوصاف اُسی وقت کی حفاظت احتیاط۔ اور خبرداری سے مل سکتے ہین جب کہ قابل پرورش بچے ہمارے ہاتھون مین ہوتے ہین۔ بچہ کی ایک ساعت کی بے اعتدالی اپنا اُس قدر حصہ لیتی ہے جس قدر کہ اُس کا حق ہوتا ہے۔ پس جب ہوشیاری کے ساتھ ہم کو بچون کی پرورش کی طرف ہر وقت آنکھین کھولے رہنا چاہیے وہ اس سے ظاہر ہے۔

کھانے والے بچون کے کھانے اور خوراک کے متعلق کس طرح کی غلطیان کی جاتی ہین۔ کھانے کی مقدار کی نسبت اگر کوئی بحث درمیان آتی ہے تو کلیہ قاعدہ تو یہ ہونا چاہیے کہ کم کھانا اور زیادہ کھانا دونون مضر ہین۔ مگر دونون مین کم کھانا بہت زیادہ نقصان لاتا ہے۔ ایک عالم ڈاکٹر کا قول ہے کہ "بسیار خوری کی مضرتون کا دفعیہ بہ آسانی ہوسکتا ہے مگر کم خوری کا نہین ہوسکتا۔" مائین کسی معقولیت کے ساتھ بچہ کی خوراک کا اندازہ نہین کرسکتین۔ بعض تو زیادہ کھانے کی مخالف ہوتی ہین اور بچون کو بھوکون ماردیتی ہین۔ اور بعض کے یہ فقرہ زیر مشق ہوتا ہے کہ بچہ نے کچھ نہین کھایا۔ اور کچھ نہین کھاتا یہ تو طعام سونگھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ گویا اُن کو بچہ کے معدہ کے ساتھ کوئی شخصی خط کتابت ہوتی ہے اور شب و روز اسی دھن مین لگی رہتی ہین کہ جو مل جاوے بچہ کے پیٹ مین داخل کردیا جاوے۔ کسی قسم کی احتیاط کی پرواہ نہین کرتین یہان تک کہ بچہ بیمار ہوجاتے ہین وہ جب بھی نہین سمجھتین اور اپنی غلطی سے باز نہین آتین۔ مین نے ایسی مائین بھی دیکھی ہین جو بیماری کی حالت مین بچہ کو ممنوع چیزین چوری سے کھلادیتی ہین اور کہتی ہین کہ "کہین کوڑی بھر چیز کھالینے سے کچھ بگڑتا ہے۔ اور بچون کو کھاتے دیکھ کر بچے کا دل ترستا ہوگا۔" وجہ اس تمام خرابی کی یہ ہے کہ ایسی غلطیون کے بد نتائج اُن کے ذہن نشین نہین کیے ہوے ہوتے۔ ورنہ غرض اُن کی کہین بچون سے دشمنی کرنا نہین ہوتی۔ بچہ کو مقررہ وقت پر کھانے کو اسی قدر دینا چاہیے جس قدر وہ طیب خاطر سے کھاوے۔ کم دینے یا کھلانے کی کوئی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ خود طبیعت سب سے عمدہ راہ نما ہے۔ لیکن ایسے وقت مین جب کہ بچہ ایام تعلیم تک پہونچ جاوے ایک اور بات کا بھی لحاظ کرنا بہت ضروری ہے اُس وقت بچہ

دو چند خوراک کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک تو اُس کمی اور صرف کے پورا کرنے کے لیئے جو قوی کے استعمال مین لانے سے پیدا ہوتی ہین دوسرے اس واسطے کہ جسمانی نمو اور بالیدگی جو ایک خاص عمر تک جاری رہتی ہے غذا چاہتی ہے تو اس وقت مین بچون کو غذا کی خواہش اور اشتہا بھی بڑہ جاتی ہے۔ بعض مائین کھانا دینے مین اُس وقت تنگی کرتی ہین جو کرنا نہین چاہیئے۔ مگر پیٹ کو بہت زیادہ بھر دینے سے احتراز کرنا چاہیئے اور جو عمدہ تدبیر اس غرض کے لیئے ہے وہ یہ ہے کہ غذا عمدہ قسم کی اور مقوی دی جاے جس مین پرورش کا مادہ زیادہ ہو۔

کھانے کی نسبت بچون کے طبعی میلان کا زیادہ لحاظ کرنا چاہیئے وہی چیزین بطور غذا کے مفید ہوسکتی ہین جو مرغوب طبع ہون۔ ہر ایک شخص اس بات کو جانتا ہوگا کہ بچون کو میٹھا کھانے کا بہت شوق ہوتا ہے اور سب سے زیادہ رغبت وہ شیرین چیز کی طرف کرتے ہین۔ مگر ہمارے ہان ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک لوگ بچون کو میٹھا کھلانے کے مخالف ہین کچھ تو یہ سمجھ کر کہ زبان کو میٹھے کی چاٹ بڑی بُری ہوتی ہے اور بعض اس لیئے کہ یونانی اطبا کا یہ فتوی ہے کہ میٹھا کھانے سے بچون کو بیماریان ہوتی ہین۔ مگر یہ عقیدہ غلط ہے۔ یہ ممکن ہے کہ میٹھے کی مصنوعی طور پر منجمد کرکے جو صورت بنائی جاتی ہے اُس مین کھانا ضرر لاتا ہو۔ مگر قدرتی شیرینی کی حد تک کھانا بہت مفید ہے۔ یونانی اطبا کو بھی اس بات کے مان لینے مین چندان تامل نہین ہے اور ڈاکٹرون کا تو اس پر پختہ یقین ہے کہ میٹھے کے کھانے سے خون۔ گوشت۔ چربی۔ ہڈی۔ گودہ۔ روح۔ روشنی چشم و طاقت جسم بڑھتے ہین۔ خون صاف ہوتا ہے اور اعضا کے جوڑ مضبوط ہوتے ہین۔ بچون اور بوڑھون کے لیئے میٹھا بہت مفید بتاتے ہین۔ کیونکہ حیات بخش مادہ اس مین بہت زیادہ ہے۔ اور افراط و تفریط کے لیئے تو وہ ہر چیز مین بُری ہے۔ ایک مناسب حد اور خواہش تک میٹھا کھانے کو دینا چاہیئے اور اس قدر تنگی عمل مین نہ لانا چاہیئے جس قدر کہ لائی جاتی ہے۔

اسی طرح پھل میوہ کھانے کا بھی بچون کو بہت شوق ہوتا ہے یہان تک کہ کچے بیر اور خام پھل کڑوے کسیلے سب کھا جاتے ہین یہ بھی ایک طبعی اور قدرتی خواہش بچون مین ہوتی ہے اور بے معنی نہین ہوتی۔ یہ بہت مقوی اور پُر منفعت ہوتے ہین۔ ڈاکٹر انبر کو بھی

کا قول ہے کہ پکے پھل کھانے سے آنتون کی بے قاعدگی عمل وغیرہ رفع ہو جاتی ہے۔ تو لازم آیا کہ بچون کو عمدہ اور شیرین پھل کھانے کے لیئے دیے جائین۔

خوراک کی مقدار کا ہی صرف لحاظ کرنا کافی نہین ہے قسم خوراک کی طرف بہت زیادہ توجہ کرنی چاہیئے۔ سب سے عمدہ خوراک گوشت کی شمولیت سے حاصل ہوتی ہے۔ بعض لوگ گوشت کی نسبت یہ رائے رکھتے ہین کہ وہ کھانے مین ثقیل اور دیرہضم ہے۔ شاید یہ خیال گوشت کی خارجی صورت سے جو نباتات کے مقابلہ مین ہے پیدا ہوتا ہو۔ مگر بہت ہی غلط خیال ہے۔ گوشت تمام دیگر اشیاے خوردنی سے سریع الہضم اور بقوی ہے اور اس ایک ادنی غور سے یہ بات سمجھ مین آسکتی ہے کہ کم درجے کے حیوانات مین سے جو حیوان گھاس پات جو مثل نباتات کے ہے کھاتے ہین وہ اُس کو بہت دیر مین ہضم کرسکتے ہین۔ یعنی ایک بار معدے مین لے جاکر پھر اُس کو جگالی کرنے سے باریک پیستے ہین اور اس کے بعد اُس کے ہضم کرنے کے قابل ہوتے ہین۔ تمام محنت جو مطلوب ہوتی ہے محض واسطے ثقیل اور دیرہضم ہونے نباتات کے ہے۔ برخلاف اس کے کہ جو حیوان گوشت خوار ہین وہ جگالی نہین کرتے اور نباتات کھانے والے حیوانون سے مضبوط اور قوی اور زیرک ہوتے ہین۔ بعض لوگون کو اس وہم کی بیماری نے گھیرا ہے کہ گوشت کھانے سے طبیعت مین بے رحمی پیدا ہوتی ہے۔ اور مثال کو شیر اور بکری بیان کرتے ہین۔ مگر یہ نہین دیکھتے کہ شیر اور بکری گوشت اور گھاس کھانے سے پہلے ہی ایسے ہوتے ہین جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیر اس لیئے بے رحم نہین کہ وہ گوشت کھاتا ہے بلکہ گوشت خوار بنایا جانے کے لیئے وہ بے رحم بنایا گیا ہے۔ اگرچہ یہ رحم کی فلسفی بھی انوکھی ہے۔ کیونکہ جو لوگ گوشت خواری کو بے رحمی کہتے ہین وہ یہ نہین سمجھتے کہ بے رحمی کس شے کا نام ہے جو فطرتی افعال حیوانات کے ہین اگر اُن کو بھی بے رحمی وغیرہ پر محمول کیا جاے تو یہ بے رحمی گویا خدا سے منسوب کی جاتی ہے۔ کیونکہ حیوانات سے صرف وہی افعال سرزد ہوتے جن کے لیئے وہ بنائے گئے ہین۔ وہ مثل انسان کے وسیع اختیارات نہین بخشے گئے اور اگر یہ کہا جاے کہ جو فعل حیوانات سے سرزد ہوکر بے رحمی نہین ہوتا وہ انسان کے ہاتھ سے بے رحمی ہے تو یہ بھی کوئی کم درجے کی غلطی نہین ہے۔ اگر گوشت خواری یعنی حیوانات کا گوشت

کھانا انسان کے لیئے ممنوع ہو تو حیوانات کے لیئے نباتات کا کھانا ناجائز محض ہونا چاہیئے۔ کیون کہ نباتات بھی ایک دوسری قسم کی زندگی رکھتی ہے جو حیوانات کی زندگی سے ایسی ہی کم درجے کی بنائی گئی ہے جیسے کہ خود حیوانات کی زندگی انسان کے مقابلے مین پس اس قسم کے خیالات بھی ایک نظری وہم سے زیادہ کچھ وقعت نہین رکھتے۔ انسان کی تمام فضیلتون مین ایک فضیلت یہ بھی شامل ہے کہ وہ جملہ اشیا کے کھانے کے قابل بنایا گیا ہے اور اُس کا معدہ سب کے ساتھ موافقت کر سکتا ہے۔ اسی سے وہ ہر ایک مقام پر اور ہر ایک حصہ مین دنیا کے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ مگر ہم کو ایک ایسے مقام پر جہان کئی قسم کی اغذیہ مہیا ہو سکتی ہون یہ فیصلہ کرنا ہے کہ سب سے عمدہ اُن مین سے کون ہے تو گوشت سے بہتر کوئی چیز عام استعمال کے لیئے نہین ہو سکتی خصوصاً بچون کے لیئے کہ وہ زیادہ مقوی اور زود ہضم غذا کے محتاج ہوتے ہین جو اوصاف کہ گوشت مین شامل ہین۔

گوشت خواری سے طبیعت مین چستی اور چالاکی پیدا ہوتی ہے اور نباتات کھانے سے سستی اور کاہلی اور بھدا پن۔ ان دونون قسم کے حیوانات مین جو واضح اختلاف اس پہلو سے دکھائی دیتا ہے وہ کسی کی آنکھون سے پوشیدہ نہین ہے۔ مگر انسان مین بھی غور کرنے سے ایک بین فرق نظر آئے گا۔ ایک شہری لڑکے کو کسی دیہاتی لڑکے سے مقابلہ کر کے دیکھو تو دونون مین کس قدر تفاوت جسمانی چستی کے باب مین پایا جائے گا اور یہ چستی صرف جسمانی نہین ہوتی ذہن بھی اس سے حصہ لیتا ہے۔ اور اسی تمثیل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا زیرک اور حسیت اور دوسرا غبی اور کاہل ہوتا ہے۔

خوراک کے بارے مین ایک یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ خوراک ہمیشہ ایک ہی قسم کی اور ایک ہی صورت کی نہ جاری رکھنی چاہیئے۔ کیون کہ اس تسلسل سے طبیعت مین ایک قسم کی سیری پیدا ہوتی جاتی ہے اور رغبت طعام کی کم ہوتی جاتی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ یہ امر قدرۃً انسانی طبیعت اور بناوٹ کے خلاف ہے محققین کے نزدیک یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ انسان کے مختلف اعضا کی پرورش مختلف قسم کی خوراک سے ہوتی ہے اور اگر یہ ضرورت براہ راست نہ پوری کی جائے تو بعض اعضا کے عمل مین یہ قدرت رکھی گئی ہے کہ وہ ایک

قسم کی خوراک سے دوسری قسم کو پیدا کر لیتے ہین۔ مثلاً جگر انسان کا ایک ایسا کارخانہ ہے جو صرف میٹھے کا ذخیرہ جمع ہی نہین رکھتا بلکہ حسب ضرورت دیگر اشیا سے میٹھا بنا لیتا ہے۔ تو اعضا کو اُن کے معمولی عمل سے روک کر ایک دوسرے عمل مین لگانے سے بچے کے لیے یہی مفید ہے کہ تمام ضرورتین اس قسم کی براہ راست پوری کر دی جائین اور کھانا وقتاً فوقتاً تبدیل کرتے رہین۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ مفید یہ ہے کہ ایک ہی کھانے مین چند چیزین کھالی جائین یونانی اطبا کو اس طریق کے مخالف ہین اور زود ہضم اور دیر ہضم کی تمیز سے ڈراتے ہین مگر اصلیت یہ ہے کہ جن اشیا کو طبیعت رغبت اور خوشی سے قبول کرتی ہے معدہ اُن کے ہضم کے لیے کوئی مزاحمت پیش نہین کر سکتا۔

ان سب باتون کا لحاظ کرنے سے عمدہ بھوک پیدا ہو گی اور بطیب خاطر بچے کھانا کھائین گے اور اس سے فائدہ اُٹھائین گے۔ مگر بھوک اور خواہش کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیے اور اس عام غلطی سے بچنا چاہیے کہ بھوک کا حال معدہ سے نہین پوچھا جاتا بلکہ گھنٹون کے ساتھ یہ حساب رکھا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

خوراک سے گذر کر اب ہم پوشاک کے مسئلے پر پہونچتے ہین ہم ان مسائل پر لمبی بحث برداشت نہین کر سکتے مختصر ہمارے ملک مین جو سلوک بچون کی پوشاک کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وہ کسی قاعدے یا اصول پر مبنی نہین ہے محض رسم و رواج پر اُس کی بنیاد رکھی گئی ہے اور جسم کی سجاوٹ اور بچون کو معقول گھر کا ثابت کرنے کے لیے یہ تکلیف بھی گوارا کی جاتی ہے کیونکہ ان سے دوسرے درجے کے لوگ تو پورے نیچرکے متبع رہین یعنی بچون کو ننگا چھوڑ دیتے ہین۔ اور ایک حصہ وہ ہے جو صرف جسم کے درمیانی حصہ کو ایک کرتے سے ڈھانپ دینا کافی خیال کرتے ہین مگر یہ سب کم درجے کی یا بہت بڑی غلطیان ہین جو بچون کے اعضا اور ترقی دونون کو مبعد صدمہ پہونچاتی ہین۔ جو سلوک بچون سے باہر دیہات مین کیا جاتا ہے شہر والون کو اُس پر قیاس کر کے کبھی دھوکا نہ کھانا چاہیے کیونکہ اُن کی عمدہ آب و ہوا اور دماغی مشقون سے بریت جو تقویت اُن کے جسم کو بخشتی ہے وہ پوشاک کے عوض مین کام دے رہی ہوتی ہے۔

سب سے بڑی احتیاط جو اس بارے مین ہونی چاہیے وہ بچون کو سردی سے بچانے کی

ہے۔ کیون کہ سردی سے صدمہ جسم پر محسوس ہوتا ہے وہ جسم کی عام حالت۔ عمر اور عقل دونون کے لیئے بہت مضر ہے جس قدر گرمی جسم کے واسطے اور خصوصاً معدے کے باقاعدہ عمل کے لیئے درکار ہوتی ہے اُس کا ایک بہت بڑا حصہ اس سے ضایع ہو جاتا ہے اور لاغر بچے بہت جلد بیمار ہو کر رہ جاتے ہین۔ بعض لوگ جسم کی اس سختی کی نسبت نہایت عمدہ راے رکھتے ہین جو سردی کے لگنے سے پیدا ہوتی ہے مگر یہ بھی ویسی ہی غلطی ہے کیون کہ عام تمثیلات سے یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ سردی جسم کے نمو اور ترقی کے لیئے بہت حارج ہوتی ہے۔ ممالک قطبی مین جہان کہ سردی بہت پڑتی ہے اور کوئی تجویز جسم کی حفاظت کے لیئے نہین کی جاتی وہان کے باشندے نہایت پست قد اور ایسے بدصورت ہوتے ہین کہ بقول مسٹر سپنسر کے ایک آدمی اُن کو دیکھ کر یقین نہین کر سکتا کہ وہ اُسی بنی نوع انسان مین سے ہین۔ اس کی وجہ سواے اس شدت سردی کے اور کچھ نہین ہے جو جسم کو سخت کرتی ہے کیون کہ سائنس مین یہ امر معقول ہے کہ بونا پن اور پستہ قدی شدت سردی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔

پس جسم کو سردی سے بچانے کی غرض سے کپڑے پہننے چاہئین۔ اُن کی خوب صورتی اور رواجی وضع کا اس قدر لحاظ نہ کیا جاے جس قدر کہ ضرورت اور فائدے کا۔ سردیون مین گرم کپڑا جو سردی سے جسم کی حفاظت کرے اور بہت زیادہ گرمی پیدا کرنے والا بھی نہ ہو۔ گرمیون مین مناسب درجہ کا ہلکا کپڑا پہننا مفید ہے۔ کپڑون کی صفائی اور پاکیزگی کا بھی ایسا ہی لحاظ کرنا چاہیئے جیسا کہ خود جسم کی صفائی کا۔ کیون کہ غلیظ اور میلے کپڑے بچون کو بیمار کر دیتے ہین۔

جسمانی ورزش کی ضرورت کی طرف اب دن بدن لوگ متوجہ ہوتے جاتے ہین۔ اور جو لوگ کہ بچون کے کھیلنے کی بہت مخالفت کرتے تھے اُن مین بھی اکثر اب اس بات کو سمجھنے لگے ہین کہ کھیلنے پر تمام جسم کی صحت اور درستی ہی نہین بل کہ ذہنی چستی و چالاکی بھی منحصر ہے۔ اور اعضا و قویٰ کی بالیدگی اسی جسمانی ورزش پر مبنی ہے۔ ورزش نہ کرنے سے معدہ اپنے عمل کو صحیح طور پر جاری نہین رکھ سکتا جس سے کھایا پیا ہضم نہین ہوتا۔ اس سے صدہا طرح کی بیماریان پیدا ہوتی ہین۔ بچے کاہل۔ کم زور نحیف۔ لاغر۔ بدصورت۔ بھدے اور دُبلے ہوتے جاتے ہین اور وہ کسی دماغی محنت کے برداشت کرنے کے لائق نہین رہتے اور یہ کہ بچے

کھیلنے اور ورزش کرنے کے قدرۃً خواہش مند ہوتے ہین چھوٹا بچہ بچھونے پر پڑا ہاتھ پانون مارتا جاتا ہے جب اس سے بڑا ہوتا ہے تو لڑھک لڑھک کر اپنی ورزش کے منشا کو پورا کر لیتا ہے اور اس سے بڑے ہوے بچے کے پانون مین اگر زنجیر نہ باندھی جاے تو صبح سے شام تک بھی کھیل کر نہ تھکتا ہے اور نہ اُس کا جی بھرتا ہے۔

مگر یہ ایک بات ہمیشہ میرے دل مین کھٹکتی ہے کہ جو لوگ بچون کی حفاظت اور پرورش کے ذمہ دار ہوتے ہین وہ خود اصول ورزش کو اچھی طرح سے نہین جانتے۔ بہت سے خواندہ نو جوانون کو مین نے یہ کہتے ہوے بھی سُنا ہے کہ مدرسہ چونکہ اُن کے گھر سے دور فاصلہ پر ہے پس وہان کا آنا جانا ہی بچون کے لیئے کافی ورزش ہو جاتی ہے اور اسی طرح وہ اپنے لیئے کچہری یا دفتر وغیرہ کی آمد و رفت پر ورزش کے باب مین اکتفا کرتے ہین مگر یہ ایک مہلک غلطی ہے جس سے بچنا چاہیئے۔ ورزش کے گھنٹون مین انسان کا دل تمام قسم کے خیالات اور فکار سے فارغ ہوتا ہے اور پوری توجہ اسی غرض کے حاصل کرنے کی طرف لگی ہوتی ہے۔ پس قلب انسانی دیگر مصروفیتون سے فارغ ہو کر اپنے اُس عمل کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو جسم مین دوران خون پیدا کرنے کے متعلق ہے۔ اگر یہ فراغت اُس کو حاصل نہ ہو تو ایک ہی وقت مین وہ دو کام نہین کر سکتا۔ پس جب اس قسم کی ورزش یعنی صرف ٹہلنے کے واسطے نکلین تو یاد رہے کہ اول تمام طرح کے مشاغل اور خیالات سے بالکل فارغ ہونا چاہیئے اور بچون سے اگر اس قسم کی ورزش چاہی جاے تو اس بات کا ضرور لحاظ کیا جاے کہ وہ کسی بُری صحبت اور غیر جنس گروہ مین مل کر کہین نہ جانے پائین۔ بلکہ اپنے رشتہ دارون مین سے ایک ایسے شخص کے ساتھ جائین جو اس بات کو سمجھتا ہو کہ اِن گھنٹون مین بھی بچے کو کوئی عقلی اور مشاہدہ کا عمدہ سبق دیا جا سکتا ہے یا نہین۔

بچون کو خوش اور آسودہ رکھنا بھی اس غرض کے لیئے نہایت ضروری ہے۔ صرف دل کی خوشی اور فرحت ہی جسم مین دوران خون کی قابل اطمینان حالت پیدا کر سکتی ہے اور مین مختصر طور پر یہ بتا دیتا ہون کہ اگر بچون کو خائف۔ غمگین۔ رنجیدہ اور ناخوش رکھا جاے گا تو تمام ورزش کے سامان تمام عمدہ خوراک اور پوشاک اور باقی احتیاط سب فضول اور بے کار ہونگی کیونکہ خود معدہ ایک ایسی شے ہے جو صحیح دوران خون کے بغیر اپنے فرائض کے ادا کرنے سے

عادی ہو جاتا ہے

آب و ہوا کی پاکیزگی اور صفائی کا مضمون بھی من جملہ دیگر توجہ طلب امور کے ہے۔ اگر پاک اور صاف ہوا مین ہم کو نہ ملین گی تو ہم بیمار ہو جائین گے۔ مگر شہر مین رہنے والے لوگ متعفن اور خراب ہوا کے کچھ ایسے عادی ہو جاتے ہین کہ صاف اور ناپاک ہوا مین وہ کچھ تمیز ہی نہین کر سکتے تمام قسم کی خراب بوئین اُن کے مشام دماغ مین رچ جاتی ہین اور وہ دن رات اُس مین رہ کر بھی کچھ پرواہ نہین کرتے مگر اُن کی تاثیرات کا خفیہ عمل بجائے خود کام کر رہا ہوتا ہے اور بعد وقت پر اُن بُرے نتایج کو ظاہر کر دیتا ہے جو اُس کے ساتھ لازم و ملزوم بنائے گئے ہین ۔ ایک دوست نے جو بہت لائق ہین ایک دفعہ پردہ مستورات پر یہ کہکر اعتراض کیا کہ ان تنگ مکانون مین بند رہنے سے اُن کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ مگر مین نے اُن کو یاد دلایا کہ اسلام نے مستورات کو پردہ مین رکھنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ قید کہین نہین لگائی کہ عورتون کو ایسے کم روشن کی کوٹھریون مین بند کر دینا چاہیئے جو تنگ و تار کوچون مین واقع ہون۔ اور پردہ میں گزینی پر سہ منزلہ یا چہار منزلہ بنائے گئے ہون۔ پردہ یون بھی حاصل ہو سکتا ہے کہ کھلی ہوا مین فراخ و کشادہ مکان بنائے جائین اُن کے ساتھ ایک جانب مین چھوٹا سا باغیچہ ہو جو عمدہ آب و ہوا کی تمام ضروریات کا جواب دے سکے۔

اس باب سے جدا ہونے سے پہلے مین اجازت چاہتا ہون کہ اس مقام پر ایک ایسے امر کا بھی ذکر کر لون جو بہت کچھ اس مضمون کے متعلق ہوگا۔ دنیا کے لوگ بے صبر اور شکایت کرنے والے بنائے گئے ہین۔ ہر زمانے مین اُن کی یہ کیفیت دیکھنے مین آئی ہے کہ گذشتہ ہر شے کی تعریف اور موجودہ کی شکایت کرتے چلے جاتے ہین اور اُس شکایت اور تعریف مین یہان تک افراط و تفریط سے کام لیتے ہین کہ کوئی حد و ٹھکانا باقی نہین چھوڑتے من جملہ دیگر امور کے یہ دو شکایتین بھی ہین کہ گذرے زمانون مین آدمیون کی عمرین اور قد اس قدر دراز ہوتے تھے کہ اس وقت اُن کا کوئی عشر عشیر بھی نہین ہوتے۔

جو روایات اور حکایات اس بارہ مین بیان کی جاتی ہین اُن مین بیان کرنے والے بیان کرنے سے لوگ تامل نہین کرتے کہ بابا آدم کا قد نو سو گز تھا۔ اور ایک گروہ کا تو یہ بیان ہے کہ جب

بابا آدم کو خدا نے پیدا کیا تھا تو اُس کا سر زمین کے ایک سرے پر اور پانون دوسرے سرے پر تھے۔ اسی طرح عمر کی نسبت بھی روایتین ہین جن مین ہزارون اور سیکڑون کا شمار ہے۔

قد انسان کی نسبت جو تحقیقات زمانۂ حال مین کی گئی ہے اُس سے صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ زمانہ گذشتہ مین بھی عام حالت قد انسان کی یہی تھی فرانس مصر۔ ایشیا۔ ہندوستان وغیرہ ممالک سے جو مُردون کے ڈھانچے نکالے گئے ہین وہ اس امر کی شہادت مین پیش کیے گئے ہین اور نیز بعض ہڈیان جو اس سے پیشتر انسان کی خیال کی جاتی تھین اور اُن کے بڑا ہونے کے سبب سے اس بات کا اقرار کرنا پڑتا تھا اُن کی نسبت یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ ہاتھی یا گینڈے کی ہڈیان تھین۔ اور بعض مقامات پر جو قدیم زمانے کے بہادر سپاہیون سے زرہ بکتر محفوظ پائے گئے ہین وہ بھی اس امر کی تائید کرتے ہین کہ گذشتہ زمانہ کے لوگ قد کے بارے مین یہی حالت رکھتے تھے جو آج کل ہے یعنی اُن مین چھوٹے بڑے اور اوسط درجے کے سب شامل تھے۔

عمر کی نسبت بھی معقول تحقیقات کی گئی ہے اور مختلف شہادتون سے اس غلطی کی اصلیت معلوم کر لی گئی ہے کہ جو قدیم ایام مین عمرون کے بہت لمبی ہونے کی نسبت تھی۔ بہت سے عالم لوگون نے جن مین سے مشہور ہنسڈ صاحب ہین یہ بات بہت پختگی کے ساتھ ثابت کر دی ہے کہ حضرت ابراہیم کے وقت تک تین مہینے کا ایک سال شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد آٹھ ماہ کا ہوا اور حضرت یوسف کے زمانے کے بعد بارہ ماہ کا شمار کیا جانے لگا ہے۔ اور اس وقت بعض بعض اقوام مین یہ دستور پایا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر مغالطے اس سوال کی نسبت ہین اُن کا بڑا حصہ اس حساب پر مبنی ہے۔ اور جس سے بھی جو باقی رہے وہ مبالغہ مین داخل کرنا چاہیئے۔ اس وقت جو نقشے مختلف زمانون کی اوسط عمر کے تیار کیے گئے ہین وہ سب آپس مین مساوات کی نسبت رکھتے ہین اور کوئی ایسا زیادہ فرق نہین ظاہر کرتے۔ تو جس قدر کہ بات بہت مبالغہ کے ساتھ کی جاتی ہین وہ بے اصل اور بے بنیاد ہین۔

لیکن جب ہم ان دونون سوالون کو اس سے زیادہ وسعت سے دیکھنا چاہتے ہین تو کچھ اصلیت اُس شکایت کی بھی معلوم ہو جاتی ہے جو اس قدر عام ہے اور اتنی زیادہ بڑھائی گئی ہے وہ کیفیت دیہات مین رہنے والے اور شہر مین بسر کرنے والے لوگون کے حالات پر غور کرنے سے

معلوم ہوتی ہے اور صرف کثرت امثال پر مبنی ہے کہ دہات مین عموماً ایک باپ اور بیٹے کا قد اور عمر ایک مساوی درجے پر پہونچ جاتے ہین۔ مگر شہر مین بہت کم ایسا ہوتا دکھائی دیتا ہے اور خصوصاً ایسے لوگون مین جن کو دماغی پیشیون سے تعلق ہے تو اس سے ہم یہ سمجھ سکتے ہین کہ دماغی ریاضتون کا بہت زیادہ عادی ہوناجسم کے لیئے نہایت مضر ہے اور زمانہ حال کی تحقیقات نے اس بات کو ثابت بھی کر دیا ہے کہ دماغ کو قواے جسمانی پر بہت بڑا اقتدار حاصل ہے جب یہ حال ہے تو ہم کو کچھ کم احتیاط اس بارے مین نہ کرنی چاہیئے جیسے کہ ہم بچون کو بہت زیادہ دماغی ریاضتون سے روکین ویسے خود بھی اس عمدہ قاعدے پر عمل کرنا سیکھین کیون کہ ایک صورت سے وہ ضرر دوگنا دکھائی دیتا ہے کہ اول کم زور باپ اپنی کم زوری کو بطور ارث کے ان بچون کو دیتے ہین جنھین وہ بعد مین براہ راست اُن نقصان رسان قواعد کا متحمل بناتے ہین۔

بچون کو اُن کی عمر اور طاقت کی مناسبت سے ایک خاص وقت تک پڑھنے اور دماغی محنت مین مصروف ہونے کی اجازت دینا چاہیئے موجودہ حالت عام طلبا کی اس باب مین بہت افسوس کے قابل ہے کہ وہ دن کے گھنٹون پر بھی اکتفا نہ کرکے نیند کے گھنٹون مین سے کچھ عرصہ چرا کر اس کام مین لگا دیتے ہین۔

اگرچہ بعض لوگ رات مین کسی خاص وقت تک پڑھنے اور دماغ وغیرہ کے کام مین مصروف ہونے کی اجازت دیتے ہین مگر مین اس کا مخالف ہون۔ قدرت کا قانون ایسا واضح اور روشن ہے کہ دن رات کی تمیز سے کوئی شخص قاصر نہین رہتا۔ پس اُس قانون مین کچھ ترمیم و تنسیخ کرنا مین تمام خرابیون کی بنیاد خیال کرتا ہون اور غور سے دیکھنے والے لوگ ضرور اس بات کو سمجھ جائینگے کہ اس مضبوط قانون کے پابند اور غیر پابند جو نتیجہ عمر کے آخری دن تک پیدا کر سکین گے وہ بحساب اوسط کے بالکل مساوی ہوگا۔ زیادہ عمر پانا۔ بیماری سے محفوظ رہنا وہی نتیجہ رکھتا ہو جو اس کمی کے وضع کرنے کے بعد رات کے چراغ سے کام لینے والون کو مجبر ملتا ہے سونا اس تمام راحت اور آسودگی کا مخزن ہے جو روح۔ دماغ اور جسم کے نصیب ہو سکتی ہے سب مجھے ایک شخص کی یہ کہاوت کسی وقت نہین بھولتی کہ " آدمی سے نیند اور امید لے لو تو وہ دنیا کا سب سے بدبخت مخلوق ہو جائے گا " بیداری کے گھنٹون مین جس قدر کمی انسان کے قویٰ مین

واقع ہوتی ہے وہ نیند کے وقت مین پوری ہو جاتی ہے دماغ تر و تازہ جسم آسودہ اور قوی پھر کام شروع کرنے کے لیئے تیار ہو جاتے ہین تو جو شخص اس نعمت کے حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے اُس کو اتنی بات سمجھ لینی چاہیئے کہ اگر ایک روز وہ کسی حکمت عملی سے اُس ایک دن کی کمی کے پورا ہونے سے پیشتر پھر دماغ کو مصروف کرتا ہے تو سب سے پہلی خرابی یہ ہوگی کہ وہ کمی اُس کو معمولی کام کی حد تک خوشی سے نہ پہونچنے دے گی اور اگر وہ اُسی نقصان رسان طریق کو جاری رکھیگا تو وہ کمی تیسرے روز دوچند ہو جاویگی یہان تک کہ کچھ عرصہ کے بعد اس متواتر کمی کی حاصل جمع کچھ مستی ثابت ہو جاوے گی۔

طالب علم رات کے جاگنے سے یہ معنی نہ سمجھین کہ مین رات کے پہلے یا آخری حصہ مین کچھ تمیز کرون گا۔ نیند کے گھنٹون کو کم کرکے پہلے وقت پڑھنا یا آخری وقت مین مین دونون کو ضرر رسان خیال کرتا ہون۔

چھوٹی عمر مین مین نے کسی کتاب مین پڑھا تھا کہ "خواندن شب بر دل نقش می کند" مجھے وہ فقرہ اب تک یاد ہے مگر جو اس کے معنی مین سمجھا ہون وہ یہ ہین۔ دل سے مراد مصنف کی حافظہ سے تھی یعنی رات کا پڑھا خوب یاد ہوتا ہے مگر دل کی نسبت تو یہ کہنا چاہیئے کہ وہ سب دل کو بہت جلد محو ہو جاتا ہے۔ زیادہ جاگنے سے دماغ مین ایک قسم کی گھبراہٹ پیدا ہو جاتی ہے تسلسل خیالات کی قوت جاتی رہتی ہے اور اسی سے ایک قسم کی دیوانگی پیدا ہوتی دیکھی گئی ہے ایک شخص جو غور کرنے کی عادت رکھتا ہے اُسی کی ایک زندگی جسم کے متعلق عام قواعد حفظ صحت کے مرتب کردینے کو کافی ہے۔ مگر یہ دیکھنا بہت لازمی آتا ہے کہ اُس کے مختلف حالات نے کیا نتایج پیدا کیئے ہین اور اُن کو نفع یا نقصان کی کس فہرست مین شمار کرنا چاہیئے۔ جہان ہم نے جسمانی ورزش کی بہت تاکید کی ہے وہان اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جسمانی ورزش کا اُس کی حد سے تجاوز کر جانا بجائے نفع کے نقصان لاتا ہے۔ ہر ایک آدمی جن کو ایک بار بھی زیادہ سخت کام کرنے کا اتفاق ہوا ہوگا یہ بتا سکتا ہے کہ جسم کے غیر معمولی طور پر تھک جانے سے عام قوی اور خصوصاً قواے دماغی پر کیا اثر پڑتا ہے وہ عرصہ تک بے کار اور مثل ایک مردہ کے ہو جاتے ہین اور بہت عرصہ کے آرام کے بعد وہ اپنی اصلی حالت کو سنبھالتے ہین۔

ہماری غرض اس باب مین پرورش اطفال اور جسمانی عام صحت کے قواعد کے بعض ایسے امور بیان کر دینے سے تھی جو نہایت مفید اور ضروری ہین۔ اس سے زیادہ وسعت کے ساتھ لکھنے کی ہمارا وقت اجازت نہین دیتا۔ لیکن اگر ہمارے ملک کے لوگ اس مضمون کی طرف متوجہ ہون گے او تمام غلطیون کی اصلاح کرنے کے لیئے آمادہ ہون گے جو اس وقت ان کے مروجہ طریقون مین پائے جاتے ہین تو معاونت کے لیئے مفید کتابین اور رسالے لائق ہاتھون سے لکھے ہوئے ملک مین مل سکتے ہین۔ وہ تمام طرح کی ضروریات کے بالتصریح سمجھا دینے کے لیئے کافی ہون گے۔

ہمارے پاس تو سوائے اس ایک دعا کے کچھ نہین ہے کہ خدا ہمارے ملک اور قوم کے لوگون کو وہ آنکھین بخشے جو حقیقت کی دیکھنے والی اور صداقت کی جویان ہون۔ آمین۔

تیسرا باب

اخلاقی تعلیم

یہ وہ تیسری قسم کی تعلیم ہے جو ابھی حدود ہندوستان کے اندر نہین پہونچی۔ اور ہمارے ہان کی تعلیم مین وہ مکاتب کی ہو یا مدارس کی ڈھونڈنے سے بھی اس کا نشان نہین ملتا۔ شاید اس بات کے کہنے مین مین نے اس قدر غلطی کی ہے کہ لفظ " اخلاق " ہماری تعلیم و تربیت سے بالکل خارج نہین ہوا۔ یعنی اگر تہذیب اخلاق کی تعلیم نہین ہوتی تو تخریب اخلاق سے تو درگذر نہین کیا جاتا۔ کون سا باپ ہے اور کون سی ماں ہے جو نہین چاہتی کہ اس کا بیٹا نیک ہو۔ شریف ہو۔ بھلا مانس ہو۔ معزز ہو۔ نیک چلن ہو۔ خوش کردار ہو۔ ہر دل عزیز ہو۔ خوش معاملہ ہو۔ راست گو ہو۔ راست باز ہو۔ حق پسند ہو۔ حق شناس ہو۔ غرض تمام خوبیون اور صفات کا مجمع ہو۔ مگر کون سا باپ ہے اور کون سی ماں ہے جس نے اپنے بچے مین ان صفات کے پیدا کرنے کے لیے کبھی ایک تنکا بھی توڑا ہو۔ ایک لفظ بھی زبان سے کہا ہو۔ کہین سوتے بھی یہ خیال اُن کے دل مین آیا ہو کہ اولاد کا کوئی اس قسم کا فرض بھی اُن کے ذمے ہے۔ مگر ہان اگر اُن کی اُس روش۔ کردار۔ ڈھنگ اور سلوک کی طرف دیکھا جائے جو وہ بے خبری مین اس تعلیم کی نسبت بچون کے ساتھ برتتے رہتے ہوتے ہین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ وہ بچون مین صفات حسنہ پیدا ہو جانے کے خواہش مند ہوتے ہین تو اپنے ہی ہاتھون سے صفات ذمیمہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہوتے ہین۔

ہر آن کہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت　　　دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

بچون کی اخلاقی تعلیم و تربیت سب سے پہلے والدین کے ذمے ہوتی ہے جو جاہل محض ہوتے ہین اور اُس کے بعد اُن اُستادون کے ذمہ جو جاہل کہلانے کے بھی مستحق نہین وہ خود بد اخلاقی کی مجسم تصویرین ہوتے ہین۔

آن کس کہ خود گم ست کرا رہبری کند؟

"شرافت" ایک لفظ ہماری لغت مین ضرور ہے مگر جب اُس کے معنی اور منشا پر غور کرین گے جو ہمارے شریفون نے سمجھے ہین تو معلوم ہو گا کہ نرا مسخرہ ہے۔ بڑھی ہوئی شرافت والون کے بچون کی یہ تعریف ہے کہ ڈھیٹ ہون۔ ضدی ہون۔ بدگو بدزبان ہون۔ جھوٹ بولنا سیکھین چوری کے اصول سمجھین۔ باپ کی داڑھی نوچین۔ اور جس قدر صفائی کے ساتھ گالیان دین اُسی قدر باوا جان کی روح خوش ہو۔ کہ بیٹا فصیح البیان ہے۔ گھر مین مان باپ جب زیادہ خوش ہوے اور بیٹے سے ناز و پیار ہونے لگے تو مان کہتی ہے کہ "بیٹا گدھا کون ہے؟" وہ اگلے دن کا سبق سُناتا ہے کہ "باپ ہے" تو باپ کہتا ہے کہ "اچھا اب ہم مٹھائی نہ لا دین گے۔ بھلا بتا تو گدھی کون ہے؟" تو وہ کہتا ہے کہ "مان ہے" یہ گھر کی تعلیم و تربیت کا نقشہ ہے۔ گھر سے باہر نوکرون یا گلی کے لڑکون سے جو سبق حاصل کرتے ہین وہ مرتبہ مین اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ یہی بچے ہوتے ہین جنھین ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ایسا درست کر دیتی ہے کہ جب بڑے ہوتے ہین تو اُن پر یہ شعر خواجہ حالی کے صادق آتے ہین۔

شریفون کی اولاد بے تربیت ہے تباہ اُن کی حالت بُری اُن کی گت ہے
کسی کو کبوتر اڑانے کی لت ہے کسی کو بٹیرین لڑانے کی دھت ہے
چرس اور گانجے کا شیدا ہے کوئی
مدک اور چنڈو کا رسیا ہے کوئی
سدا گرم انفار سے اُن کی صحبت ہر اک رند و اوباش سے اُن کی ملت
پڑھے لکھون کے سایہ سے اُن کو وحشت مدارس سے تعلیم سے اُن کو نفرت
کمینون کے جرگے مین عمرین گنوائین
اُنھین گالیان دینی اور آپ کھائین

بچون کی تعلیم و تربیت کے جواب دہ والدین کبھی اس باب پر غور نہین کرتے کہ بچون کے دل مانند پگھلے ہوے موم کے ہوتے ہین جو نہ صرف اُن کلمات اور الفاظ کا گہرا نقش قبول کر لیتے ہین جو اُن کے پاس بولے جاتے ہین بل کہ ہر ایک ادنی حرکت اور اشارہ جو اُن کے

قریب ہوتا ہے اُن کے دل پر نقش ہو جانے کی وہی طاقت رکھتا ہے۔ وہ موم دن بدن منجمد ہو کر سنگ خارا کے مانند ہوتا جاتا ہے اور وہ نقش اُس مین ایسی مضبوطی کے ساتھ جگہ پکڑ جاتے ہین کہ سوا ے موت کے اور کوئی آلہ اُن کو چھیل ڈالنے مین کامیاب نہین ہو سکتا۔

چوب تر را چنان کہ خواہی پیچ　　نہ شود خشک جز بہ آتش راست

بچون کو بُری صحبت اور غیر غنس لوگون کی مصاحبت سے جو نقصان پہونچتا ہے اُس کو ڈاکٹر اسمائلس ایک یونانی حکیم کے سچے قول سے ظاہر کرتے ہین کہ " اگر کسی بچے کا معلم کوئی غلام مقرر کیا جائے تو ہمارے پاس بجائے ایک کے دو غلام ہو جائین گے " لیکن ہمارے ہم وطنون کے کان مین یہ قول نہین پہونچا جو اپنی صغیر سن اولاد کو ہمہ تن نوکرون اور غلامون کے سپرد کر دیتے ہین۔ اور بازاری اوباشون کی صحبت مین جانے سے نہین روکتے۔ حضرت علی کا قول ہے کہ " مین نے دیکھا ہے کہ لوگ اس قدر اپنے مان باپ سے مشابہ نہین ہوتے جس قدر کہ اُن لوگون سے جن کے درمیان وہ رہتے ہین " ڈاکٹر آدم سمتھ لکھتے ہین کہ " وہ غیر مشابہ اختلاف جو ہم ایک فیلسوف اور بازار کے عام مزدور کے درمیان دیکھتے ہین وہ نیچر سے اس قدر نہین پیدا ہوتا جس قدر کہ عادات رواج اور تعلیم سے جب کہ وہ دنیا مین آنے یا اپنی زندگی کے پہلے چھ یا آٹھ برس تک وہ شاید ایک دوسرے سے بہت مشابہ تھے۔ اور نہ اُن کے والدین یا اُن کے رفیق کوئی واضح اختلاف معلوم کر سکتے تھے۔ اس عمر مین یا جلدی بعد اس کے وہ مختلف پیشون مین لگائے گئے۔ اس وقت اُن کی لیاقت کے اختلاف پر غور کیا جاتا ہے اور یہ اختلاف رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہان تک کہ فیلسوف کی　　کی مشابہت اُن کے درمیان تسلیم کرنے پر راضی ہوگی۔ ڈاکٹر اسمائلس کا قول ہے کہ اول اور ضروری تعلیم گاہ چال چلن کے واسطے گھر ہے۔ مکان ایک ایسی جگہ ہے جہان انسان اپنی پیدائش کے ساتھ اعلیٰ درجے کی تعلیم بھی پا سکتا ہے اور بدترین خصائل بھی اُس کی طبیعت مین سکونت پذیر ہو سکتے ہین۔ کیونکہ طرز معاشرت ہی کی تاثیر سے چال چلن کا اصول ذہن نشین ہوتا ہے جس کے مطابق انسان کو عمر بھر عمل درآمد کرنا پڑتا ہے۔ گھر ہی ایک ایسی جگہ ہے جہان بچے پرورش پاتے ہین اور طرز معاشرت کے مطابق اپنے کو بھلائی یا برائی کی صورت مین ظاہر کرتے ہین پس

جس خاندان مین کہ عمدہ فرائض جاری ہین۔ جہان عقل مندی سے طبیعت و دماغ کی تربیت کی جاتی ہے۔ جہان روزانہ زندگی مین نیکی اور ایمان داری کا برتاؤ ہے۔ اور جہان دانش مندی مہربانی اور محبت کی تعلیم ہوتی ہے تو اس خاندان کے بچے البتہ لائق دانش مند۔ ہونہار اور فیض رسان ہوسکتے ہین۔ اور برعکس اس کے جس خاندان مین جہالت۔ بے وقوفی اور خود غرضی پھیلی ہوئی ہے تو وہان کی اولاد بھی جاہل ناشایستہ اور غیر مہذب ہوجاے گی۔ چونکہ بچون مین تقلید کا قدرتی مادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کبھی اس سے باز نہین رہ سکتے۔ کیونکہ جملہ خیالات وعادات۔ طور وطریقے۔ طرز وکلام اُن کے واسطے مثل ایک نمونہ کے ہوتے ہین۔ اسی وجہ سے لڑکون کے چال چلن درست کرنے کے لیئے اُن کے عمدہ نمونے پیش کرنا چاہئین تاکہ یہ تقلید اُن کے حق مین آیندہ زندگی کے واسطے مفید ثابت ہو۔ پس بچون کے واسطے عمدہ نمونے معلم کا حکم رکھتے ہین۔ کسی بچے کی لائق مان صد ہا معلمون سے اچھی ہے۔ کیونکہ اُس کے اقوال وافعال اُن کے دماغ اور آنکھون مین بلامشقت پہونچتی ہے اور اپنا عمدہ اثر ظاہر کرتی ہے۔ اُس کی تمثیل تعلیم سے بدرجہا مفید ہے اور بُری تمثیل کے مقابلے مین اعلیٰ درجے کی تعلیم بھی بالکل بے کار ہے کیونکہ تمثیل کی تقلید کی جاتی ہے قول کی نہین کی جاتی۔ قول کے برعکس فعل اُس کو بالکل مہیب ثابت کردیتا ہے کسی ملا کی تعلیم دین داری بحالت بدمستی کوئی عمدہ اثر نہین پیدا کرسکتی۔

"ابتدائی تمثیل کو کاڈلی اس طرح بیان کرتا ہے کہ جیسے درخت کی چھال مین حرفون کے نشان بنادیے جائین جو درخت کی بالیدگی کے ساتھ خود بھی بڑھتے جائین گے۔ پس اُس حالت مین کیسا ہی چھوٹا خیال کیون نہ پیدا کردیا جاے لیکن وہ کبھی معدوم نہین ہوسکتا۔ اس وقت کے خیالات کی نقش بندی کا مثل اس کے ہے کہ جیسے زمین مین تخم ریزی کی جاے۔ پس جس طرح اُس ترکیب سے غلہ پیدا ہوتا ہے اس طرح خیالات کی ذہن نشینی سے افعال واقوال وعادات کی تربیت ہوتی ہے۔

"ڈاکٹر اسمائلس صحبت کے اثر کے بیان مین لکھتا ہے کہ "آدمی چاہے بوڑھا ہو یا نوجوان اُس پر صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ البتہ اس قدر فرق ہے ساتھ کہ بوڑھون پر کم اور نوجوانون پر زیادہ ھوریڈٹ کی مان کا اُس کی تعلیم کی بابت یہ قول تھا کہ جس طرح جسمانی صحت کا مدار غذا پر ہے

اسی طرح روحانی تربیت نیکی یا برائی کے ساتھ جلیس و ہم نشین کے اقوال و افعال پر منحصر ہے
"یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ جو لوگ ہماری صحبت میں رہتے ہیں اُن کا اثر چال چلن پر نہ پڑے
کیونکہ انسان میں تقلید کرنے کا ایک قدرتی مادہ ہوتا ہے۔ پس تھوڑی بہت تاثیر ہمارے احباب
کے کلام و وضع رفتار حرکات اور خیالات کی ہم میں ضرور آجاتی ہے۔ برک کا قول تھا کہ انسان
کے لیئے خیال ایک مدرسہ کے مانند ہے۔

"جن امور کی تقلید کی جاتی ہے وہ اس طرح پوشیدہ رہتے ہیں کہ اُن کے نتائج پر
کچھ بھی خیال نہیں جاتا۔ لیکن اُن کا اثر دائمی ہو جاتا ہے۔ اور اسی چال چلن میں جو تبدیلی
ہو جاتی ہے اُس سے کوئی غور کرنے والا شخص البتہ واقف ہو سکتا ہے۔ کمزور سے کمزور شخص
کا اثر اُن کے جلیس و ہم نشین پر پڑتا ہے اور جملہ خیالات و محسوسات و عادات طبیعت و افعال
کی تقلید سے بالاستقلال قائم ہو جانے کی قوت حاصل کرتے ہیں۔ سر چارلس ہل کہتا ہے
کہ میرے واسطے اعلیٰ درجے کی تعلیم میرے بھائی کی تمثیل تھی۔ علاوہ اس کے میرے خاندان
کے لوگ راست باز تھے جن کی میں نے پوری تقلید کی۔

"فلاطون کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس نے کسی موقع پر ایک بیہودہ کھیل کی وجہ سے کسی کو
سخت ملامت کی۔ لڑکے نے کہا کہ آپ ذرا سی بات پر مجھے اس قدر سرزنش کرتے ہیں۔ فلاطون
نے جواب دیا کہ یہ ذرا سی بات نہیں ہے جب اس کی عادت پڑ جائے گی تو سخت مضرت ہوگی اور کسی
امر کا عادی ہو جانا ایسا ضرر رسان ہے کہ اکثر اشخاص افعال قبیحہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں باوجود
کہ وہ اُن کو برا سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ بھی عادت کے مطیع ہو گئے ہیں جس کی طاقت کا کوئی مقابلہ
نہیں کر سکتا۔ لاک کا قول ہے کہ دماغ میں ایسی قوت پیدا کرنی جو عادت کا مقابلہ کر سکے اخلاقی
تعلیم کا اعلیٰ اصول ہے"

ہمارے بچے اپنے بہن بھائیوں کو بلکہ بعض وقت ماں اور باپ کو آپس میں لڑتے جھگڑتے
اور گالی گلوج دیتے دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں اور جن گھروں میں یہاں تک نوبت نہیں پہنچی
وہاں یہ صورت تو ہر وقت موجود ہوتی ہے کہ چھوٹے بچے کے قریب بیٹھے ہونے کا وہ کوئی
پاس و لحاظ نہیں کرتے خود اُن بچوں کو جو کچھ منھ میں آتا ہے کہے جاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک

وہ اس وقت اور اس موقع کے بعض معمولی خیالات ہوتے ہین مگر بچون کے اخلاق پر نہایت زہرناک اثر ڈال رہے ہوتے ہین۔ رچر صاحب ایک مقام پر سلفت گورنمنٹ کی بے ترتیب رائے او رعمل کی حالت بیان کرتے ہوے چند فقرات لکھتے ہین جو بہت کچھ ہمارے گھرون مین بچون کے ساتھ اخلاقی سلوک سے مشابہ ہے۔ وہ بھی بچون کی اسی اخلاقی تعلیم کی حالت کو بطور تمثیل کے لے کر بیان کرتے ہین کہ " اگر معمولی باپ کے بڑے گروہ کے مخفی اختلافات کو بیان کیا جاے اور بطور ایک اخلاقی تعلیم کی فہرست کے اُس کو مرتب کرکے دیکھا جاے تو اُس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے گھنٹہ مین وہ یہ کہ رہے ہوتے ہین کہ بچون کے سامنے خالص اخلاق کے سوا کچھ نہ پڑھا جانا چاہیئے۔ اُستاد پڑھے یا مین "؛ دوسرے گھنٹہ مین "مخلوط اخلاق یا وہ جس مین اپنی منفعت شامل ہو"؛ تیسرے گھنٹہ مین " تم نہین دیکھتے کہ تمھارا باپ یہ کرتا ہے اور وہ کرتا ہے"؛ چوتھے گھنٹہ مین " تم ابھی چھوٹے ہو اور یہ باتین بڑون کو شایان ہین "، پانچوین گھنٹہ مین " اصل غرض یہ ہے کہ تم دنیا مین کامیابی حاصل کرو"، چھٹے مین " ان عارضی جھگڑون مین کیا رکھا ہے کرنا وہ چاہیئے جس مین ہمیشہ کی بھلائی ہو"، ساتوین مین " پس تکلیف اُٹھا کر بھی صبر اور رحم ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے " آٹھوین مین " لیکن اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو اُس کا مقابلہ بہادری سے کرو"، نوین مین " دیکھو بچے شورمت کرو" دسوین مین " بچون کو ایسا صم بکم بھی نہ بیٹھ رہنا چاہیئے"۔ گیارھوین مین " اپنے والدین کی اطاعت کرنا ذرا خوب سیکھو" بارھوین مین " اور علم حاصل کرو" غرض اس طرح پر اس ساعت بہ ساعت تبدیل اصول سے باپ اپنی غیر مستقل مزاجی اور یک طرفہ ہونے کو چھپاتا ہے اور بیوی اُس کی نہ خود اُس کے مانند ہوتی ہے اور نہ مانند اُس مسخرے کے جو تماشہ کے سٹیج پر دونون بغلون مین ایک ایک گٹھری کاغذون کی باندھے ہوے آتا ہے اور سوال کے جواب مین کہتا ہے کہ " داہنی بغل مین احکام ہین اور بائین مین ناسخ اُن احکام کے"۔ لیکن ماں کو ہم برائری اس دیو سے تشبیہ دے سکتے ہین جس کے سو ہاتھ تھے اور ہر ایک مین ایک گٹھری کاغذات کی تھی"۔

اس سے بھی بدتر حال ہمارے ہان کا ہے۔ کیونکہ وہ اگر غلطی کرتے ہین تو ساتھ اُس کے یہ جانتے ہین کہ وہ غلطی کرتے ہین اور اس پر پچھتاتے ہین۔ ہم اول تو اپنی غلطی کو جانتے نہین اور

اگر جان بھی جائین تو اُس کا مان لینا اور تسلیم کر لینا اور ہماری فطرت اور حمیت کے خلاف پڑتا ہے۔ اپنے آپ مین تو ہم کبھی کوئی قصور پا ہی نہین سکتے۔ پھر اگر بچے رفتہ رفتہ بگڑ کر شوخ اور شریر اور بے ادب اور بے حیا ہو جائین تو یہ سب قصور بچون کا ہوتا ہے۔ ہمارا سر مو بھی اُس سے تعلق نہین ہوتا۔ بل کہ ہم بچون سے اُن کے ایسا ہونے کے لیئے بازپرس کے مجاز ہوتے ہین۔ مارنے یا اور کسی طرح کی بچون کو سزا دینے کے کامل اختیارات رکھتے ہین۔ پس وائے برحالِ ما۔

بچون کی اخلاقی تعلیم کا ایک مضمون ہمارے ہان بہت وسیع ہے کہ بچون کے ڈرانے کے عجیب عجیب طریقے ایجاد کیئے ہین۔ کہین ہوّا ہے۔ کہین بی شادی ہے۔ کہین مائی خیرن کی روح ہے کہین ڈائن کا قصہ اور کہین جن بھوت اور پریت کی بے شمار کہانیان ہین۔ شاید کسی زمانے والون نے ان ایجادون کو کسی مصلحت پر مبنی کیا تھا۔ مگر کال گذر گئے اور کلنگ رہ گیا۔ جہان وہ زمانہ گیا یہ حکمت ہمارے پاس چھوڑ گیا۔ اب تو اس کا صریح نتیجہ یہ ہے کہ بچے بزدل بنتے جاتے ہین اور وہ بزدلی اور ہام اور تعصب کی ایک جزو بن کر زندگی بھر ساتھ جاتی ہے جوان ہو کر بھی اُن کو اندھیرے مین باہر نکلنے کی جرات نہین ہوتی۔ رات کو ایک سوکھا ہوا درخت بھوت معلوم ہوتا ہے اور جن کی شکل تو خود تصور کی آنکھین بنا لیتی ہین۔ ایک رات کی کہانی کا ڈرا ہوا بچہ بیس روز تک دروازہ بند کرنے کو نہین اُٹھتا۔ اگر پیشاب کی ضرورت ہو تو صبح کی روشنی کا انتظار کرتا ہے۔ گھر مین اکیلا رہ جانا اُس کے لیئے ایک قیامت کا سامنا ہوتا ہے گھر کی چارپائیان اور اسباب سب جن بھوت کی شکل سے مبدل ہو جاتے ہین۔ لیکن اگر مان اندھیرے مین کسی کام کو کہ دے اور بچہ ڈر کا عذر کرے تو یہ اُس کا ایک ناقابل معافی قصور ہوتا ہے۔ اس کی سزا مین جو کچھ بھگتے وہ تھوڑا ہے۔ وہ مان بھول کر بھی یہ بات یاد نہ کرے گی کہ کل رات ہی بچہ کو یہ کہانیان سنائی تھین کہ اُس کے باپ کے گھر کی کھڑکی کے آگے ہمیشہ ایک جن کھڑا رہتا تھا۔ اور ایک دفعہ اُس کے باپ کو جنگل مین چرتی ہوئی ایک بکری مل گئی تھی جس کو اُس نے پکڑنا چاہا۔ آخر وہ اس قدر لمبی ہو گئی کہ زمین سے آسمان تک جا پہونچی اور وہ وہشت کھا کر بھاگ آیا۔ اُس مان کا اپنا یہ حال ہے کہ مار ڈالو تو گھر سے باہر قدم نہ رکھے

مگر اس کا لحاظ وہ بچون پر کبھی نہین کرنا پسند کرتی۔ مان کے زبون حالات اور بدعادات کا
اثر دن رات بچون کی طبایع پر پڑتا ہے یہ لازمی اور داخل ہے۔ جو عام نسخہ بچون کی اصلاح کا
ہم لوگ جانتے ہین وہ یہی ہے کہ بچون کو بات بات پر پیٹ دیا جاسے۔ گھورنا اور دھمکا دینا تو
ایک ایسی عام بات ہے کہ سرکھجلانے پر بھی بعض وقت فراخی سے استعمال کر دی جاتی ہے۔ فاضل
سپنسر لکھتے ہین کہ کس قسم کی اخلاقی تعلیم کی ہم اُس مان سے امید کر سکتے ہین جو وقتاً فوقتاً اپنے
بچے کو غصے کے ساتھ اس لیے جھنجھوڑ دیتی ہے کہ وہ دودھ نہین پیتا۔ جو کہ وہ بیان کرتے ہین
کہ ہم نے ایک مان کو ایسا کرتے دیکھا ہے اور کس قدر انصاف کی توقع ہم ایک ایسے باپ سے
کر سکتے ہین جس نے بچے کی چیخ کو سُن کر جب اُس کی اُنگلی کھڑکی چوکھٹ کے سوراخ مین پھنس گئی
تھی بجاے اس کے کہ اُس کی اُنگلی کو نکال دے اُسے پیٹنا شروع کیا۔ صاحب موصوف اس کو اپنا
ایک چشم دید واقعہ بیان کرتے ہین۔ مگر مجھ کو ایک سے زیادہ دفعہ ایسا موقع دیکھنے کا اتفاق ہوا
ہے کہ جب کبھی بچہ نادانی سے کسی تکلیف مین جا پھنسا تو والدین مین سے جو پہلے پہونچ سکا اُس
نے بجاے رہائی دینے کے پیٹنا شروع کیا۔ ایک اور واقعہ اس سے بھی زیادہ بے رحمی کا صاحب
موصوف بیان فرماتے ہین کہ ایک بچہ کو جس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی جب گھر اُٹھا کر لے گئے تو باپ
نے پہلے لکڑی سے اُس کی تواضع کی۔ یہ واقعات اگرچہ حد درجہ کی مثالین ہین مگر اکثر خاندانون
کے برتاو کے صحیح حالات کے مظہر ہین۔ وہ فرماتے ہین کہ بارہا ایسا ہوا ہوگا کہ جب مان نے ناراضی
سے بچہ کو دایہ یا کسی اور کے پاس سے جھٹکا دے کر لیا تو کوئی نہ کوئی عضو اُس کا بگڑ گیا ہوگا۔
مین نے ایک اس کی مثال بچشم خود دیکھی ہے کہ ایک بچہ کو زمین پر سے جب ٹانگ پکڑ کر کھینچا
گیا تو اُس کی ران صدمہ اُٹھا کر بیکار ہو گئی اور وہ اب تک لنگڑا ہے جس قدر جسمانی عیوب بچون
مین دکھائی دیتے ہین وہ اُن کے والدین کی تمیز اور فہم اور احتیاط کا حال بتا رہے ہوتے ہین
اسی طرح جو اخلاقی عیوب بچون مین دکھائی دیتے ہین درحقیقت وہ آئینہ ہوتا ہے جس مین اُن
کے والدین کی اخلاقی حالت کا صحیح نقشہ نظر آتا ہے اور اُن کی عادات و خیالات کا عکس دکھائی
دیتا ہے۔ بہت سے لوگ ہین جو اپنے عیوب اور حالات بد کو دنیا کی نظر سے پوشیدہ کرنا چاہتے
ہین۔ مگر ایک زیرک نظر اُن کی اولاد کی صورت اور سیرت سے اُس کو ٹٹول لیتی ہے اور وہ ایک

ایسا یقینی ثبوت ہوتا ہے کہ خود اُن کی حالت سے وہ کبھی نہین حاصل ہو سکتا کیون کہ وہ اپنی مصنوعی نمائش مین جو تدابیر صرف کرتے ہین وہ عام بل کہ خاص نگاہون کو بھی دھوکہ دینے مین کامیاب ہوتی ہین۔ اسی سے تو ہمارا یہ مقولہ ہے کہ شریفون کی اولاد شریف کہلانے کی صرف اُس وقت مستحق ہوسکتی ہے جب کہ اُن کی پرورش اور اخلاقی تربیت شریفانہ طرز و طریق پر ہو۔ ورنہ انسانیت کی تو وہی خاصیتین اُن مین بھی پائی جاتی ہین جو ایک دوسرے شخص مین جس کو کمینہ اور رذیل پکارنے مین کچھ بھی تامل نہین کیا جاتا۔

اخلاقی تربیت اطفال کی ان بے اعتدالیون سے صرف بچون کی اخلاقی حالت اور اُن کے عادات ہی نہین بگڑتے بل کہ اس کا نہایت زبون اثر اُن کے قواے عقلیہ پر پڑتا ہے جس کو اُن کے ہر ایک پہلو سے بیان کرنے سے ہم غافل نہین رہین گے۔ وہ تمام نتیجہ اُس بدسلوکی کا ہے جو بچون کے ساتھ اختیار کی جاتی ہے۔ بچون کے اخلاقی قویٰ جب کہ ہماری آنکھین نہین دیکھ سکتین تو اُن کے جسم پر ہم پورا قبضہ رکھنا چاہتے ہین۔ کیون کہ وہان تک رسائی ہونا ایک آسان امر ہوتا ہے۔ مگر حقیقت مین یہ فعل ہمارا اعلیٰ حیوانیت کے بالکل قریب ہوتا ہے۔ ایک حیوان دوسرے حیوان سے اپنی ناراضی اسی طرح ظاہر کرتا ہے جس طرح کہ ہم اپنے بچون سے کرتے ہین۔ مجھ کو اس سمجھ پر نہایت حیرت آتی ہے کہ ہر ایک شخص یہ بات جانتا ہے کہ جو فعل کسی انسان سے وہ چھوٹا ہو یا بڑا سرزد ہوتا ہے وہ اُس کے دل کا قصور ہوتا ہے۔ اور اُس کی اصلاح بذریعہ جسم کے کی جاتی ہے تو یہ کس قدر نادانی کی بات ہے۔ بچے ہمارے سب سے اچھے معلم ہین۔ اور وہ ہم کو خوب سکھلا سکتے ہین کہ اُن کی نسبت ہم کو کیا سلوک اختیار کرنا چاہیے وہ ہمیشہ نیکی اور نیک کامون کی تعلیم حاصل کرنے کی طرف راغب معلوم ہوتے ہین۔ کاؤنٹ پالموستنؔ کا قول ہے کہ "تمام بچے نیک پیدا ہوتے ہین" اگرچہ یہ وسعت اس قول کی نہ صحیح ہو مگر اس مین شبہہ نہین کہ عمدہ اور دانش مندانہ سلوک سے نیک بنائے جا سکتے ہین جب کہ اُن کو بُرے کامون اور اُن کے بُرے نتائج کی طرف سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ بہت جلد ڈر جاتے ہین۔ تمام نیکی کے کامون کے سننے سے وہ خوش ہوتے ہین اور غور سے دیکھنے والی آنکھین یہ دیکھ سکتی ہین کہ اُن کے چہرون پر بشاشت اور مسرت نمودار ہوتی ہے وہ دنیا کے تعلقات

سے جس قدر بے پرواہ معلوم ہوتے ہین اُسی قدر زیادہ اُن کو درحقیقت دنیا کے ساتھ تعلق ہوتا ہے
اُن کا تعلق تمام دنیا کے ساتھ یکسان ہوتا ہے۔ کیونکہ تمام دنیا کی بُرائی سے متنفر اور تمام دنیا
کی نیکی سے محبت کرنے والے ہوتے ہین۔ جو فعل کہ اُن سے سرزد ہوتا ہے وہ اُن کی پوشیدہ نفرت
کی تحریک سے ہوتا ہے ہم اُن افعال کے نیک و بد کا اندازہ کرنے والے ہوتے ہین کیونکہ
اُن کو اپنے افعال کی نسبت یہ تمیز نہین حاصل ہوتی۔ تو ہمارا کیا فرض ہے کہ آیا ایک ایسے فعل کے
لیئے جو ہماری پختہ اور سال خوردہ سمجھ اور راے مین بُرے معلوم ہون اُن کو زدوکوب کرین یا اُن کو
آہستگی یا معقولیت کے ساتھ یہ سمجھائین کہ بیٹا یہ کام جو تم نے کیا ہے اس کو دنیا ناپسند کرتی ہے اور
اُس کو ناپسند کرنے کے یہ وجوہات۔ لیکن جب ہم اس بارے مین غلطی کرتے ہین اور ایک اندھے
شخص کے مانند سلوک کرتے ہین کہ جب وہ ایک خندق کے کنارے پر پہونچ جاے تو ہم دردی
سے اُس کے ہاتھ کو پکڑ کر اُس کو کھڑا کر دیا جاے اور یہ بتانے سے دریغ کیا جاے کہ آگے خندق
ہے مت جاؤ تو وہ ناچار کھڑا ہو جاے گا۔ اگر اس ممانعت کی وجہ اُس کی سمجھ مین آگئی تو وہ
پیچھے ہٹ جاے گا ورنہ مسخرہ یا دوسرے کا دیوانہ پن سمجھ کر پھر آگے بڑھے گا اور خندق مین گر جاے
گا۔ یہی حال اُن بچون کا ہوتا ہے کہ جب یہ نامعقول سلوک اُن کے ساتھ کیا جاتا ہے تو وہ دن بدن
بدحواس ہوتے جاتے ہین اور زدوکوب کا ناجائز دباؤ اُن کے عقلیہ قوی کو اُن کی جرات کے ساتھ ہی
پژمردہ کرتا جاتا ہے وہ اس سے ضدی۔ ڈھیٹ۔ خودسر۔ اور بے سمجھ ہو جاتے ہین۔ مسٹر سپینسر
کا قول ہے کہ اس درجے کی سختی جو والدین اور اُستاد بچون کے ساتھ برتتے ہین وہ گویا اُن کو آیندہ
دنیا کی طرف سے زیادہ سختی اور صعوبت برداشت کرنے کے لیئے تیار کر رہے ہوتے ہین۔ اس
کے سیدھے سے معنی تو یہی ہین کہ بُری عادات اس سبب بچون مین پیدا ہو جائین گی دنیا اُن کا نازو
نیاز نہ اُٹھا سکے گی۔

بہت روز ہوے جب کہ مین نے اپنی ایک کتاب مین یہ یادداشت لکھی تھی کہ ”نیچر خود معلم
اخلاق ہے“ فاضل سپینسر نے بہت عمدگی سے اس کی تشریح کی ہے اور اُن طریقون کو
بیان کیا ہے جو والدین کو بچون کی اخلاقی تربیت کی نسبت اختیار کرنے چاہئین۔ مین اُن کو اپنی
مختصر راے کے ساتھ بیان کرون گا۔

جب ایک بچہ گر جاتا ہے یا اپنے سر کو کسی چیز سے ٹھکرا کر توڑ لیتا ہے تو اس سے اُس کو درد ہوتا ہے جس کی یادداشت اُس کو زیادہ محتاط بننے کی تعلیم دیتی ہے۔ اور ایسے تجربات کی تکرار سے آخر اُس کا فعل اپنی درست صورت اختیار کر لیتا ہے اور وہ آگ کی چنگاری پر ہاتھ رکھ دے یا دیے کی شمع ہاتھ سے پکڑے یا اُبلتا ہوا پانی اپنے جسم کے کسی حصہ پر ڈال لے تو ان کاموں کا نتیجہ ایک ایسا سبق ہوتا ہے جو آسانی سے نہیں بھلایا جا سکتا۔ اس قسم کے دو ایک واقعات سے ایسا گہرا نقش پیدا ہوتا ہے کہ کوئی بحث تاک اُس کے بعد جسمانی قوانین کی طرف سے اُس کو غافل نہیں کر سکتی۔ ان واقعات اور ایسے ہی واقعات پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیچر کس طرح معلم اخلاق ہے۔ میرا یہ عقیدہ بچوں کی اس حالت تک محدود نہیں ہے میں تمام خورد و کلاں کے لیئے جو انسان کے نام سے موسوم ہے اس قانون کا عمل در آمد دیکھتا ہوں اور سب سے بہتر طریقہ اصلاح کا یہی خیال کرتا ہوں کہ تمام غیر متعلقہ غلطیوں کے لیئے اُن کو اسی سزا کی قوت پر چھوڑ دیا جاوے جو خود نیچر اُن کے لیئے تجویز کرتی ہے۔ اُس میں دست اندازی کرنے سے نہ اس سے پیشتر کوئی فائدہ ہوا ہے اور نہ اس کے بعد ہوگا۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت ایک بچہ کوئی غلطی کرتا ہے معاً اُس کی تنبیہ ایک تکلیف کے وارد ہونے سے ہو جاتی ہے تو وہ ایک اصلی اور جائز سزا ہوتی ہے جس کو واضع قانون نے ضروری خیال کیا ہے اُس کے مقابلہ میں کسی مصنوعی سزا سے کوئی اثر پیدا کرنے کی کوشش کرنا ایک بہت بڑی نافہمی اور غلطی ہے مسٹر سپنسر نے ان تمثیلات کے بیان کرنے کے بعد یہ فقرہ لکھا ہے کہ ”اب ان حالات میں نیچر سب سے سادہ طریقہ اور صحیح اور سچا عمل اور قاعدہ اخلاقی تربیت کا بیان کر رہی ہے۔ ایک ایسا قاعدہ اور عمل ہے کو شاید عام نگاہیں اکثر امورات کے مانند زائد خیال کریں۔ مگر غور کرنے سے اُن کی اصلیت مختلف ثابت ہوگی“

اس کے بعد صاحب موصوف نے ایک دلچسپ بحث کی ہے کہ سب سے پہلے غور کرو کہ جسمانی تکالیف اور اُن کی سزاؤں میں ہم بدکرداری اور اُس کے نتائج کو نہایت سادہ صورت میں دیکھتے ہیں جن تمام افعال کو ہم نیک یا بد کہتے ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ صرف اخلاقی قواعد کے لحاظ سے جن افعال کے کلیہ نتائج مفید ہوں وہ نیک کہلاتے ہیں اور برخلاف اس کے اسی لحاظ سے

جن کے نتایج مضر ہون اُن کو ہم بُرا کام کہتے ہین - اور وہ خوشی یا رنج جو ایک فعل سے منتج ہوتے ہون اُس کے نیک یا بد قرار دینے کا سب سے آخری معیار ہے - ہم شراب خوری کو بُرا کہتے ہین بہ لحاظ اُس جسمانی خرابی کے جو شراب خور کی ذات پر واقع ہوتی ہے اور بہ لحاظ اُن اخلاقی تباہیون کے جو اُس پر اور اُس کے متعلقین پر وارد ہوتی ہین - چوری سے اگر کھونے والے یا پانے والے ایک کو بھی خوشی حاصل ہوتی تو ہم اُس کو گناہون کی فہرست مین نہ دیکھتے اگر ہم معلوم کرتے کہ رحم کے کامون سے انسانی تکالیف بڑھتی ہین تو اُن کو مذموم قرار دیتے اور رحم کے کام نہ کہتے - اسی طرح تمام افعال کی نیکی یا بدی کا حکم اُن کے آنے والے نتیجہ سے کیا جاتا ہے -

اب اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ وہ سزائین کیا ہین جن سے یہ جسمانی خطا کاریان روکی جاتی ہین - سزائین ہم اُن کو اس لیئے کہتے ہین کہ اس سے اچھا کوئی لفظ اُن کے لیئے نہین ہے - کیونکہ در اصل وہ سزائین نہین وہ مصنوعی اور غیر ضروری دردنہین پیدا کرتین وہ صرف اُن حرکات کی طرف سے مفید بندشین پیدا کرنے والی ہین جو جسمانی خیریت کے لیئے مضر ہین اور ایسی بندشین ہین جن کے نہ ہونے سے جسمانی مضرتین زندگی کو ضایع کر دیتین - اگر ہم اُن کو تکالیف کہین تو خاصیت اُن کی یہ ہوگی کہ وہ اُن افعال کے اصل نتایج مین جن کے ساتھ وہ لازمی طور پر واقع ہوتے ہین اور بچون کے ہر ایک فعل کا وہ جواب فعل ہوتے ہین -

اب یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ وہ جملہ تکالیف اُن خطا کاریون کے ہم وزن اور ہم اندازہ ہوتی ہین - ایک چھوٹا سا واقعہ کم درد لاتا ہے اور اس سے بڑا ایک سخت درد یہ کوئی نہ دیکھے گا کہ جو لڑکا دروازے کی چوکھٹ پر گر پڑتا ہے اُس کو ضرورت سے زیادہ صدمہ پہونچتا ہو صرف اسی قدر جو اس کو آیندہ اس حرکت سے باز رہنے کے لیئے محتاط بنائے - اسی طرح وہ اپنی چھوٹی بڑی غلطیون کی متناسب تکالیف سے اسی قدر ضروری سبق حاصل کرتا جاتا ہے -

سب سے آخر یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ قدرتی پاداش افعال کے جو بچون کے غلط افعال سے پیدا ہوتے ہین مقیم مستقیم - قائم مزاج - بے خوف اور اٹل ہوتے ہین - کوئی دھمکی نہین ظاہر کرتے بل کہ ایک خاموش سخت عمل ہوتا ہے - اگر ایک بچہ اپنی انگلی مین سوئی چبھو لے

تو فوراً دھوتا ہے۔ اگر وہ پھر وہی حرکت کرے تو وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور یہ عمل اسی طرح جاری رہتا ہے یہاں تک کہ یہ حرکات کا مسلسل اور باقاعدہ جواب آخر اُس کو اپنی غلطی کی طرف سے آگاہ کر دیتا ہے۔

بچہ کو زجر و توبیخ کا عادی بنانے سے ایک اور خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ اُس کی اُس عمر میں جب کہ وہ زندگی کے کاروبار میں داخل ہوتا ہے وہ ایسی ہی خارجی ہدایت اور راہ نمائی کا محتاج ہو جاتا ہے۔ جب کہ خانگی تعلیم ختم ہو جاتی ہے اور اُستاد یا والدین یہ بتانے کے لیے نہیں رہتے کہ یہ کرنا اور یہ نہ کرنا چاہیے تو وہی لوگ عموماً کامیاب ہوتے ہیں جو ابتدا سے اپنے افعال کے نتائج سے راہ نمائی اور ہدایت حاصل کرنے کے عادی بنائے جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ کہاں سے پیدا ہوتی ہے جو ایک کاہل آدمی کو سخت تکالیف اور مصائب اُٹھا کر بھی اپنی کاہلی سے باز نہیں رکھ سکتی جو بدمعاملہ آدمی سے سو طرح کی سزاؤں کے بعد بھی اس کی بدمعاملگی نہیں کھو سکتی جو ایک جھوٹ بولنے والے کی عادت کو باوجود کسی تکلیف کے نہیں درست کر سکتی جو ایک غیر پابند وقت کے نقصان اُس کو نہیں دیکھنے دیتی۔ یہ نتیجہ اُسی سلوک سے پیدا ہوتی ہے جو خلاف قاعدہ بچوں کے ساتھ برتا جاتا ہے اور یہ بیماری جو اس وقت میں ایسی زبون اور لاعلاج معلوم ہوتی ہے بچپن میں اس کے جڑ پکڑنے کے ایام ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک شخص یہ بات جانتا ہے کہ لاعلاج بیماری کوئی علیحدہ پیدائشی چیز نہیں ہے وہ وہی بیماریاں ہوتی ہیں جو ابتدا میں علاج نہ ہونے سے آخرکار اس نام کے حاصل کرلینے کی حد تک پہونچ جاتی ہیں۔

مگر جس حد تک مسٹر سپنسر نے والدین کو بے دخل کرنے کی تجویز کی ہے ہم اُس سے احتراز کریں گے۔ بعض حرکات اور عادات بچوں کے ایسے ہوتے ہیں جن کا خاموش نتیجہ خود ہی اُن کو اس فعل کے مکرر ارتکاب کے قابل نہیں چھوڑتا۔ ایک بلند مکان کی چھت سے گر جانا اگر اُس کی زندگی نہ ضایع کردے گا تو پھر چھت پر چڑھنے کے قابل نہ چھوڑے گا۔ یہ دست اندازی والدین کی ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی زائد احتیاط کا نتیجہ ہے اور قانون فطرت کی تصویر میں وہ کہیں نہیں دکھائی دیتا۔ اگر وہ خواہش اور محبت جو والدین کے دل میں بچوں کی حفاظت کے لیے ہوتی

ہے کسی زائد احتیاط پر محمول کی جائے۔ (اگرچہ ایسا نہین ہوسکتا) تو والدین کا ایک معین اور معتدبہ زمانے تک دنیا مین رہ کر والدین بننے کے قابل ہونا اور حکمتون کے ساتھ اس پر بھی لحاظ رکھتا ہے۔ ہمارا مطلب اُن حرکات اور عادات مین دست اندازی سے باز رکھنے کا ہے جو تکرار کی نوبت پہونچانے والے ہون اور جن کے نتائج والدین کو کسی سزا مین گرفتار کرنے والے نہ ہون۔ کیون کہ جن حرکات کے نتائج بچون کی تکلیف مین بچون سے زیادہ والدین کو تکلیف دینے والے ہوتے ہین وہ صاف اُن کی غفلت اور بے احتیاطی پر دلالت کرتے ہین اور اُنھین کے فرائض مین محسوب کیے جانے کے قابل ہین۔

جس طرح کہ اخلاقی گورنمنٹ ہمیشہ پولٹیکل گورنمنٹ پر غالب آئی ہے اُسی طرح اخلاقی اصلاح کے طریقے دیگر طریقون سے زیادہ موثر اور کامیاب ثابت ہوے ہین بچون کی نسبت تو عام طور پر امتحان کرکے دیکھ لینا چاہیے کہ جس شے کا خوف بوجہ اُس کی تکلیف رسانی کے اُن کے دل مین بیٹھ جاتا ہے وہ اُس کے پاس تک پھر نہین جاتے اور بچون مین اُس عمل کے کامیاب ہونے پر ہم اس سے بھی زیادہ اعتماد کرسکتے ہین جب کہ ہم دیکھتے ہین کہ بڑے بھی اسی عمل کے نتائج سے موثر ہونے کی تصدیق کر رہے ہوتے ہین۔ تمام بُرے عادات جو کسی ایک صورت سے قائم ہوجاتے ہین اور اُن کی طبیعت کا ایک جزو بن کر کسی طرح اُن سے علیحدہ نہین ہوسکتے وہ اگر کبھی علیحدہ ہوے ہین تو اخلاقی اصلاح کی قوت سے۔ ایک شراب خوار یا کسی اور علت کے گرفتار کی نسبت شاید ایک واقعہ بھی معتبر اس قسم کا قلم بند نہ ہوا ہوگا کہ اُس شخص نے جسمانی سزا یا پند و نصائح کے اثر سے اپنے بُرے عادات کو چھوڑ دیا بل کہ تمام مثالین اسی قسم کی ہون گی کہ کڑوا تجربہ آخر اُس کو راہ راست پر لے آیا۔ وہ کڑوا تجربہ کیا ہے اخلاقی گورنمنٹ کے اٹل احکام کی تعمیل مین جو سزائین دی جاتی ہین اُنھین کا تمام کڑوا تجربہ ہے یہ بارہا ثابت کیا جاچکا ہے اور نظائر اور تمثیلات سے اور سچے اور صحیح اور یقینی واقعات اور مشاہدہ اور تجربہ سے کہ جرائم کے پاداش مین جو سزائین ہماری موجودہ سلطنت کا قانون تجویز کرتا ہے وہ نہ تو جرائم کی تعداد مین کمی لاسکتا ہے اور نہ ایک بار کے مجرم پر اصلی غرض کے متعلق کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔ کوئی ایک مہتمان جیل کی رپورٹین جو اس معاملہ پر غور کرنے کے لیے یا بجاے [illegible] جسی

اور تحقیقات کے لکھی گئی ہین وہ اس امر کی شاہد ہین کہ نئے مجرمون سے زیادہ سابقہ سزا یافتہ مجرم جیل مین آتے ہین پس جب ہم اثر حاصل کرنے کے لیے مضبوط قوی والے آدمیون کا یہ حال دیکھتے ہین۔ تو اس سے جو قیاس بچون کی سہل تربیت پذیر طبائع پر کرنا چاہیے وہ ظاہر ہے۔ اپنی اس غلطی کے معلوم کرنے کے لیئے جو ہم بچون کی اخلاقی اصلاح اُن کی جسمانی سزا کے ذریعے سے کرنا چاہتے ہین یہ ایک سیدھی سی تمثیل کافی ہے کہ ندی کا مُنھ اُس کے منبع ہی سے بند ہو سکتا ہے جو دہانہ پر اور ندی کے اختتام پر بند لگا کر چاہتے ہین کہ اس کو روک لین وہ ایک بہت بڑی غلطی کر رہے ہون گے۔

انسان کے قواے ذہنی وجسمانی اور اخلاقی حالات باہم ایسے پیوستہ ہین کہ ہم اُس کو بلا کسی غلطی کے ایک ایسی رسی سے تشبیہ دے سکتے ہین جو تین لڑون سے بٹی ہوئی ہو۔ اگر ایک لڑ اُن مین سے اُدھڑ جاے یا کسی دوسری طرح خراب ہو جاے تو باقی کی دو لڑین بھی نہ صرف بدنما ہو جاتی ہین بلکہ ضعیف کم زور اور ایسی خرابی پذیر ہو جاتی ہین کہ اُن کے نسبتاً کم بوجھ سے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اخلاقی حالات جب خرابی کی طرف رُخ کرتے ہین تو تمام دیگر قوی پر تباہی پھیر دیتے ہین۔ اخلاق کو بجاے خود یہ قوت حاصل ہے کہ دیگر قوی کی اطاعت کو جس طرح چاہے استعمال کرے۔ عادت کیا ہے؟ ایک فعل کا تکرار۔ اس کے بعد عادت کا تکرار ہے جو اُس فعل کو نرا فعل نہین رہنے دیتا بلکہ طبیعت ثانی بنا دیتا ہے۔ طبیعت کی تابع جملہ قوی ہین تو اب ایک ادنیٰ سی غفلت کے وزنی نتیجہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اگر ایک بُری عادت طبیعت مین قائم ہو گئی ہے تو وہان عقل مفقود۔ سمجھ نابود۔ ہوش زائل۔ حواس باطل۔ ایک شرابی کا نشہ جب اُتر جاتا ہے تو اُس کی آنکھین کھلتی ہین۔ جسم درد کرتا ہے۔ ٹانگین کھڑا نہین ہونے دیتین۔ سر گھومتا ہے۔ گھر کے اسباب کو جو آگ لگائی تھی اُس کا دھوان دماغ مین آتا ہے۔ وہ ناصح مشفق یعنی باوفا کانشنس اپنی خدمات پیش کرتا ہے جس کے منظور کر لینے کے لیئے وہ اُس وقت تیار ہو جاتا ہے پشیمانی اور ندامت دامن گیر ہوتی ہے۔ بعض وقت بی بی اور بچون اور کنبہ کی تباہ اور قابل رحم حالت اُس کی آنکھون کو نمناک کر دیتی ہے اب وہ ہوتا ہے اور توبہ واستغفار۔ مگر کب تک؟ جب تک لوگون کا مُنھ دکھانے والے آفتاب نے پیٹھ نہ دکھائی ہو۔ جہان وہ آسمان کی آنکھ بند ہوئی

ان بزرگوار کی عیسری کھل گئی جس نے ایک لمحہ مین تمام دن کے منصوبے دل سے محو کر دیے وہ ندامت اور پشیمانی تپلے پانی کی طرح بہ گئی اور پھر وہ ہین اور اُن کی مذموم عادت۔ تو اب دیکھ لینا چاہیئے کہ غالب کون ہے اور مغلوب کون۔ یہی ہم کو سکھلاتا ہے کہ ہماری سب سے پہلی توجہ کس جانب رجوع ہونی چاہیئے اور ہم کو اپنی قوت کس شے کے حاصل کرنے مین صرف کرنا چاہیئے؟ وہ بچون کی اخلاقی تربیت۔ اخلاقی اصلاح اور اخلاقی درستی ہے ان امور عظیم الشان اور کثیر المنفعت مقاصد کے حصول کے لیئے صرف اُن جائز وسائل کا اختیار کرنا لازمی ہے جو نیچر کے پُرحکمت اشارات سے قریب ہون۔ کوئی بے قاعدہ کامیابی جس کو کامیابی خیال کر لیا جائے درحقیقت ایک دھوکے کی ٹٹی ہوگی جو ایک نہ ایک دن ضرور غلطی کا ثبوت دینے کے لیئے اُٹھ جائے گی۔

جب ہم یہ کوشش کر رہے ہون کہ بچے نیک اور بد کے مابین تمیز کرنا سیکھین تو سب سے بڑی احتیاط اسی امر کی ہونی چاہیئے کہ براہ راست ہدایات کے جاری کرنے سے اس غرض مین کامیابی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرین۔ بل کہ اُن کے مفید یا مضر نتائج کو اُن کی آنکھون کے سامنے اور اُنھین کی قوت سے یہ مطلوبہ اثر پیدا کرین اور نہ کبھی ان نتائج کی اصلی صورت کے اظہار مین کمی یا بیشی کو عمل مین لائین۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ فعل اور اُس کے نتیجہ کو اس کی واقعی حیثیت سے جانچنے اور اسی کے دباؤ سے طبیعت پر اثر قبول کر لینے کا مادہ بچون مین پیدا ہو۔ اپنے اس منشا کو ہم پورے طور پر قابل فہم بنانے کے لیئے چند مثالین بیان کرین گے جو ایسے چند واقعات پر مبنی ہون گی جو ہر ایک گھر مین شب و روز دیکھنے مین آتے ہین۔

فرض کرو کہ ایک بچہ اپنے کھلونون سے کھیلتا ہوا اُن کو فرش پر بکھیر کر چلا جاتا ہے جیسا کہ اکثر واقع ہوتا ہے۔ یا چھوٹی لڑکی گڑیا کے کپڑون کو کمرے مین پھیلا دیتی ہے تو عام قاعدہ جو اُس کی اصلاح کا ہے وہ یہ ہے کہ بچے کو ملامت کر دی گئی یا زیادہ گرم مزاج مان نے دو ایک تھپڑ اُس کے مار دیے اور اُن بکھری ہوئی چیزون کے سنوارنے کا کام کسی دوسرے کو کرنا پڑتا ہے مثلاً ماں کو۔ بہن کو یا خادمہ وغیرہ کو۔ یہی ہے جو خلاف قاعدہ ہے اور جو کہ نہ ہونا چاہیئے۔ کھلونون اور کپڑون کے جمع کرنے کا کام اُسی بچہ سے کرانا چاہیئے جس کو وہ خوشی اور رغبت سے نہین کرتا

چاہتا تو خلاف خوشی اور رغبت ایک کام کرنا ایک ایسی سادہ غلطی کے لیئے کافی سزا ہے اور وہ اس سے دستی پا جاوے گا۔ لیکن ایسے بچون کے لیئے جن کے گھرون مین اخلاقی تربیت کا سلسلہ بہت خراب تھا شاید یہ قاعدہ موثر نہ ثابت ہو اور دوبارہ بچے سے ایسی ہی غفلت ظاہر ہو تو اب جو تدبیر کرنی چاہیئے وہ اس سے زیادہ تکلیف دہ ہونی چاہیئے یعنی کھلونے وغیرہ اس کو کھیلنے کے لیئے نہ دیے جائین جب وہ آکر مانگے تو سہولیت سے اس کو یہ سمجھا دینا چاہیئے کہ پہلے جب تم کو کھلونے دیے تھے تو تم فرش پر بکھیر کر چلے گئے تھے اور تمھاری بہن کو جن کا اکٹھے کرنا پڑے تھے۔ اس کو ہر روز اتنی کہان فرصت ہے کہ تمھارے کھلونے جمع کرتی پھرے۔ مین خود بھی ایسا نہین کر سکتی اور تم سے بھی یہ نہ ہو سکے کہ جب کھیل چکو تو کھلونوں کو اٹھا کر رکھ دو اس لیے مین اب تم کو نہین دے سکتی"۔ اب ظاہر ہے کہ نہ کم نہ زیادہ بالکل پورا اور قدرتی نتیجہ اس حرکت کا ہے اور بچہ اس کو ایسا ہی تسلیم کرے گا اور چون کہ وہ کام ایسے وقت مین کرنا پڑتا ہے جب کہ بچہ اس کو نہین کرنا چاہتا تو پوری سزا کا اثر رکھتا ہے اور بچہ کو افعال اور ان کے مناسب نتائج کے سمجھنے کا موقع ملتا ہے جو اس کی آیندہ زندگی کے لیئے ایک مفید سبق ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ہان بچون کو جھڑکنے یا زدوکوب کرنے کے علاوہ اگر کوئی تجویز اس کے روکنے کے لیئے کی جاتی ہے تو ان بعض غائب اور فرضی چیزون سے ڈرایا جاتا ہے جو اس وقت بچے کے لیئے واجب سے زیادہ سزا ہوتی ہے۔ اور بعد مین چون کہ اس کو کوئی براہ راست تعلق اس حرکت سے نہین ہوتا پس بچہ بھول جاتا ہے اور پھر وہی کام کرنے لگتا ہے اور چون کہ ہمارے پاس ان کی تمام غلطیون کے لیئے ایک عام سزا ہوتی ہے بچہ اپنی چھوٹی بڑی غلطیون کا صحیح اندازہ اور ان کے متناسب نتائج معلوم کرنے سے محروم رہتا ہے۔

پھر ایک دوسری مثال لو کہ بچے عموماً کم و بیش بے احتیاطی کے ساتھ بعض چیزین جو ان کو دی جائین کھو دیتے ہین یا توڑ دیتے ہین اس کے لیئے جو قدرتی سزا اور وہ سزا جو بڑون کو بھی زیادہ محتاط بناتی ہے وہ وہ تکلیف ہوتی ہے جو اس شے کے نہ رہنے سے پہونچتی ہے یا وہ خرچ جو اس شے کے مکرر خرید کرنے مین برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بچون نے تجربہ مین بھی انھین صحیح حالات سے زیادہ کوئی شے جمع کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیئے۔ ہماری غرض اس مقام

پر بچون کی بالکل ابتدائی عمر سے نہین ہے جب وہ کھلونون کو زمین پر مار کر توڑ دیتے ہین اور اس بے احتیاطی کا نتیجہ سمجھنے کے قابل نہین ہوتے۔ بلکہ وہ زمانہ جب کہ وہ مطلب اور نفع نقصان چیزون کا سمجھنے لگتے ہین۔ مثلاً اگر ایک اچھی عمر کا بچہ چاقو کو لے کر کسی چیز پر مار کر توڑ دے یا کہین باہر چھڑی وغیرہ کاٹتا ہوا کھانس پہ بھول آئے تو بے سمجھ والدین یا کوئی نازبردار قریبی اُس کو دوسرا خرید کر لادے گا۔ اور یہ نہ خیال کرے گا کہ ایسا کرنے سے ایک قیمتی اور مفید سبق سے اُس کو محروم کر دیا گیا ہے ایسی صورت مین باپ کا فرض ہے کہ مناسب طور پر بچہ کو یہ سمجھا دے کہ چاقو پر دام لگے ہین اور روپے نہین دیے جا سکتے جب تک روپیہ کمایا نہ جائے اور روپیہ کے کمانے کے لیے محنت اور مزدوری درکار ہے اور جو چاقو کھو دے اور توڑ دے اُس کے لیے مین نیا نہین خرید کر دے سکتا اور جب تک تم اُس سے زیادہ ہوشیار بن کر نہ دکھاؤ مین اس نقصان کو نہین برداشت کرون گا" ساتھ ہی اس سے ایک یہ بڑا فائدہ ہو گا کہ بچے فضول خرچی کی بدعادت سے روکے جائین گے۔

یہ عام قسم کی اور سادہ مثالین جو ہم نے بیان کی ہین اس سے ہمارا مطلب جو قدرتی اور روزانہ سزاؤن کی طرف توجہ دلانے کا تھا سمجھ مین آجائے گا۔ اور اس سے زیادہ عمدہ تدابیر کے بیان کرنے سے پہلے ہم یہ بتاتے ہین کہ اس طریق کے برتنے سے بہ مقابلہ اُن جبریہ قواعد کے جو ہمارے گھرون مین مروج ہین کیا فائدہ ہو گا۔ پہلا فائدہ تو یہ ہو گا کہ سبب اور اُس کے نتیجہ کا تصور ذہن مین جگہ پانے لگے گا اور مکرر اور متواتر تجربون سے وہ صحیح اور مکمل صورت پکڑ جائے گا۔ سب سے اچھا اور قابل اعتماد زندگی کا وہی چلن ہو گا جس مین افعال کے نیک و بد نتائج سمجھے جاتے ہون بہ نسبت اس کے کسی سند پر اُس کا یقین حاصل کیا ہوا ہو۔ مصنوعی واقعات یا سزاؤن کے عام سلسلہ کی خرابیون مین سے ایک دانشمند نے یہ بھی ایک بہت بڑی خرابی ظاہر کی ہے کہ جب کسی غلطی کے قدرتی نتیجہ کے بجائے ہم کسی دوسری سزا یا تکلیف رسانی کی تجویز کرتے ہین تو بچون کے مزاج مین بداخلاقی کا ایک مذموم قاعدہ جگہ پکڑ جاتا ہے کہ چونکہ بچپن مین ممنوع حرکات کا نتیجہ صرف والدین یا اُستاد کی ناراضی جانتے ہین تو اُن حرکات اور اُس ناراضی کو وہ بطور سبب اور نتیجہ کے خیال کرنے لگتے ہین۔ پس جب والدین نہین رہتے اور اُن کی ناراضی کا خوف اُٹھ جاتا ہے تو ممنوع حرکات سے وہ رکاوٹ

بھی دور ہوجاتی ہے۔ اب یہی رکاوٹ اور صحیح حقیقت فعل اور جواب فعل کے وہ کڑوے تجربے سیکھنے کے محتاج رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مبصر نے جو اس تنگ نظر سلسلہ سے خوب واقف تھا یہ لکھا ہے کہ "نوجوان جب مدرسہ سے نکل جاتے ہیں اور خصوصًا وہ جن کے والدین نے اپنا صحیح اثر قائم کرنے سے غفلت کی ہوتی ہے اور تمام طرح کی فضولیات میں پڑ جاتے ہیں وہ اپنی حرکات کے لیئے کوئی قاعدہ نہیں جانتے۔ اخلاقی چلن کے واسطے وہ وجوہات سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور قائم ہونے کے لیئے کوئی بنیاد نہیں پاتے تاوقتیکہ وہ سوسائٹی کے نہایت خوفناک ممبروں سے سخت اور درشت تعلیم نہ حاصل کر لیں۔"

ایک دوسرا فائدہ جو اس قدرتی طرز تربیت سے حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ تربیت خالص انصاف پر مبنی ہوتی ہے اور بچے بھی اس کو اسی حیثیت میں تسلیم کر لیتے ہیں۔ جو بچہ اپنی غلطیوں کے لیئے اپنے افعال کے قدرتی نتائج سے زیادہ کچھ نہیں برداشت کرتا۔ کبھی اپنی نسبت بدسلوکی کا خیال نہ کرے گا جیسے کہ مصنوعی سزا سے تکلیف اٹھانے والا کرے گا۔ اور یہ بچون اور بڑون کے لیئے ایک مساوی قاعدہ ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک بچہ جو اپنے کپڑون کو بے احتیاطی سے پھاڑ لاتا ہے یا کیچڑ وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتا۔ اگر اس کو پیٹ کر سونے کو کہہ دیا جائے تو وہ اپنی بدسلوکی پر پڑا ہوا پیچ و تاب کھائے گا اور یہ غصہ اس کو اپنی حرکت پر پشیمان ہونے اور اس کے نفع نقصان پر سوچنے کا موقع نہ دے گا۔ لیکن اگر اس کو اس نقصان کی درستی کرنے کے لیئے کہا جائے جو اس نے کی ہے یعنی کیچڑ کو دھو کر صاف کرے اور پھٹے ہوئے کی مرمت کرے تو ضرور ہے کہ وہ اپنی کی ہوئی خرابی کو محسوس کرے اور اس باقاعدہ سزا کو اٹھاتے ہوئے اس کے سبب سے خوب واقف ہوجائے اور اس انتظام کی حقیقت اور انصاف کو تسلیم کرے۔ اگر یہ طریقہ اس کی اصلاح کے لیئے کافی نہ ہو اور اپنی حرکات سے باز نہ رہے تو اس کو صاف کپڑے پہنا دینے یا نیا جوڑہ تیار کرا دینے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ اور میلے اور پھٹے ہوئے کپڑون کے ساتھ کھانا کھانے یا شریک صحبت ہونے سے روک دیا جائے۔ یہان تک پہونچ کر ایک باقاعدہ تربیت کیا گیا بچہ ضرور اپنی غلطی سے متنبہ ہوجائے گا۔

لیکن یہ تمام چھوٹے چھوٹے قصور اور غلطیان ہین جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ایک شخص یہ اعتراض

کر سکتا ہے کہ ان سے بڑے قصوروں اور بڑے درجے کی غلطیون کے لیے کیا کیا جانا چاہیے
ہم اس کا جواب دینے سے پیشتر یہ بتانا چاہتے ہین کہ جب ہم بچون کو اُن کی صحیح حالت مین
رکھنے کی ضرورت بیان کر رہے ہین تو والدین کو بھی اپنی صحیح حالت جانب بچون کے معلوم کر لینا
چاہیئے کیون کہ اُن کی موجودہ حالت اس امر کو ظاہر نہین کرتی سب سے پہلے فیصلہ اس امر کا
ہونا چاہیئے کہ والدین بچون کے دشمن ہوتے ہین یا دوست۔ اس کے جواب مین تمام آدمی ایک
لحہ بھی تامل نہ کرین گے اور ہم زبان ہو کر بول اُٹھین گے کہ دوست۔ اور نہایت حقیقی دوست
جو قدرت نے بنائے ہین۔ مگر جب یہ پوچھا جائے گا کہ وہ اُن سے دوستانہ سلوک بھی کرتے ہین
نہین؟ تو بہت سے گھبرائین گے مگر صحیح جواب یہ ہو گا کہ وہ اُن سے مثل دشمنون کے سلوک
کرتے ہین۔ ہم ایک ادنیٰ تمثیل سے اس کی تشریح کر دیتے ہین۔ والدین بچون کو مارتے ہین
زدوکوب کرتے ہین۔ دیکھنا چاہیئے کہ مارنا کس قسم کی حرکت ہے؟ وہی شخص جب کسی دوسرے
شخص سے لڑ پڑے اور نہایت غصہ اور ناراض ہو تو کیا کرے گا؟ یا کیا کرنے کی کوشش کرے
گا؟ انھین ہاتھون سے اور اسی طرح مارنے اور زدوکوب کرنے کی۔ اس مارنے مین اور اس
مارنے مین جو بچون کو بظاہر کچھ بھی فرق نہین ہے اور ہم کہتے ہین کہ درحقیقت بھی کچھ فرق نہین
ہے۔ ضارب اور مضروب کے درمیان جو فیصلہ ہوتا ہے وہ پہلے کی اغراض اور دوسرے کی
تصدیق پر ہوتا ہے۔ مثلاً مین ایک شخص کو تھپڑ مارتا ہون اور اس مارنے کی کوئی وجہ نہین بتا
کر سکتا تو اس کا نام ناجائز عمل یا دشمنی ہو گا۔ لیکن اگر مین ثابت کر سکتا ہون کہ اُس کی گردن پر
بھڑ بیٹھی ہوئی تھی جہان مین نے تھپڑ مارا ہے تاکہ وہ بھڑ مر جائے اور اُس کو کاٹنے نہ پائے
مضروب میری اس دوستانہ غرض کی تصدیق کرتا ہے تو یہ فعل دوستی مین شمار ہوتا ہے۔ اگر
یہ صحیح ہے تو ہم پوچھتے ہین کہ کسی بچے نے پٹ کر والدین کا شکریہ بھی ادا کیا ہو اس کی ایک
نظیر ہم کو بتا دو۔ ایک شخص کہ سکتا ہے کہ بچون مین اپنی نیکی [illegible] کے تمیز کرنے کی قابلیت
نہین ہوتی تو اس صورت مین مارنا بھی بے کار ہے اُس [illegible] کوئی قوت اس تمیز کے
مادہ پیدا کرنے کی نہین ہے اور نہ یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ [illegible] والدین کے اس
فعل کو جائز بناتی ہے۔ ہاتھون کا ہونا یا منھ مین زبان کا ہونا [illegible] رکھتا کہ ایک بچون کے

مارنے کے لیئے ہے اور دوسرا اُن کو کوسنے یا سخت سُست الفاظ کہنے کے بیئے ہے
بچون کو مارنا ایک خلاف فطرت فعل ہے جو نہ صرف ان گذشتہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے
بل کہ دیگر بعض امور کے مشاہدے سے۔ مین نے بلے تعداد دفعہ دیکھا ہے اور شاید ہر ایک آدمی
نے اس کا تجربہ ہوا ہوگا کہ والدہ نے ایک معصوم بچہ کو جو خاموش، بان اور بے گناہ ہاتھ پانون
رکھتا ہے اُس کی کسی حرکت پر غصہ کھا کر جو عموماً اس قسم کی ہوتی ہین کہ بچہ نے دودھ پینے سے
انکار کیا یا اِدھر اُدھر ہاتھ پانون مار کے کسی پیئے کو رکا دیا پہلے پیٹ دیا ہوا اور پھر تھوڑی دیر
بعد اپنی اس حرکت پر پشیمان ہوئی ہو جب وہ چُپکا دودھ پینے لگا یا آنکھین بند کرکے گود مین آرام
کرلیا تو وہ اُس کو پیار کرنے لگی اُس کے صدقے اور قربان ہونے لگی اور یہ کہتی جاتی ہے کہ "ہاے
یہان سے بدن لال ہوگیا ہے۔ مین کیا کرون تو ایسے ہی کام کرتا ہے جس سے مار کھاتا ہے" اور
پھر اس سے بڑی عمر کے بچون کے ساتھ اسی سلوک کو ملاحظہ کرو۔ مان اُس کی کسی غلطی پر اُسے
مار کر رُلا دیتی ہے جب وہ رو کر سو جاتا ہے تو اُس کے سرہانے جا کر کھڑی ہوتی ہے۔ سوتے کا
مُنھ چومتی ہے اور اسی قسم کے الفاظ کہتی ہے کہ "میرے یہ ہاتھ جل جائین جن سے مین نے
اپنے لعل کو مارا تھا۔ ہاے مین کیا کرون اس کی حرکتین ہی بعض وقت ستا دیتی ہین وغیرہ"۔ بعض
دفعہ وہ یہان تک بھی پشیمان ہوتی ہے کہ اُس کی آنکھون مین مار کے نشان دیکھ کر آنسو بھر
آتے ہین تو بتانا چاہیئے کہ یہ پشیمانی کہان سے پیدا ہوتی ہے۔ کسی جائز فعل کے ارتکاب سے؟
کس قدر آدمی ہین جنھون نے اخلاقی مسائل پر غور کرنے مین بھی اپنا کچھ وقت صرف کیا ہو اور یہ
سمجھا ہو کہ نیک و بد افعال کے نتائج کتنی صورتون مین ہم محسوس کرتے ہین۔ آیا اسی طرح کہ ہمارے
مُنھ پر کوئی شخص ایک تھپڑ مار دے یا جیل مین بھیج دیے جائین جہان کھانے کو اچھا نہ ملتا ہو۔
پہننے اور سونے کی تکلیف ہو اور مشقت کے سخت کامون کی برداشت کرنا پڑے یا اور کسی قسم کی
جسمانی اذیت ہم کو پہونچائی جاے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمارا قاعدہ بالکل بے نقص اور غلطی سے
پاک ہے۔ بچون کو جس قدر زد و کوب کی جاے تھوڑی ہے۔ لیکن اگر سچا اخلاق دل کے تہ بہ تہ
پردون مین مخفی ہے جو آہستہ آہستہ کھلتے ہین اور رنج و راحت کے مقامات کا صحیح فیصلہ وہی صادر
کرسکتے ہین اور نتیجہ سے فعل کی نیکی بدی کا قیاس ہوسکتا ہے تو تمام خوشی اور اطمینان جو دل کو حاصل

ہوتے ہین وہ نیک افعال کے نتائج سے ہوتے ہین اور تمام غم وغصہ اور رنج اور تکلیف او
بے صبری اور شکایت جو پیدا ہوتے ہین وہ بُرے افعال کا نتیجہ ہوتے ہین اور بجاے خود فعل
بد ہوتے ہین۔ اور فعل بد خلاف ورزی فطرت کا نام ہے تو والدین کا جو فعل اُن کے دل کو غصہ
اور جوش مین لاتا ہے وہ کسی طرح فطرت کے مطابق نہ کہا جاے گا۔

بچون سے جو خلاف منشاے فطرت اور ناجائز سلوک کیا جاتا ہے وہ اُن فوائد کو جو اُن کے
قدرتی اور اصلی تعلقات سے مقصود ہوتے ہین ضایع کردیتا ہے۔ اگر ایک بچہ سے دوستانہ سلوک
برتا جاے تو وہ ہر وقت اپنی تمام قسم کی ضروریات والدین سے ظاہر کرتا ہے اور اُن کا پورا ہونا
اُس کی تمام آیندہ ترقی کا معاون ہوتا ہے لیکن موجودہ صورت مین اُس کی جرات کھوئی جاتی ہے
اور آزادی نہین اختیار کرسکتا جس سے اُس کی خواہشین اور ضرورتین پورا ہونے سے رہ جاتی ہین
اس سے اُس کی جسمانی صحت اور عقلیہ حالت اثر بد اُٹھاتی ہے۔ خواہشین پژمردہ ہوکر دل کو اور اُس
کی تروتازگی کو پژمردہ کردیتی ہین۔ پس والدین کو سمجھنا چاہیئے کہ بچون کے ساتھ اُن کے اصلی اور
صحیح تعلقات کیا صورت رکھتے ہین اور اس پر اُن کو کاربند ہونا چاہیئے۔

ہماری ان گذشتہ سطور نے شاید اس سوال کو کہ بچون کی بڑی بڑی غلطیون کے لیئے کیا
کیا جانا چاہیئے زیادہ وزنی بنا دیا ہے۔ مگر اب ہم اس کا جواب دینے کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔
اور اس غرض کے لیئے مسٹر سپنسر کی بیان کی ہوئی چند مثالین جو نہایت پختگی سے لکھی گئی ہین
ذیل مین درج کرتے ہین۔

وہ لکھتے ہین کہ "ہمارا ایک دوست جو اپنے بہنوئی کے گھر مین رہتا تھا اپنے ایک بھانجے
اور بھانجی کی تعلیم اُس کے سپرد ہوئی جس کو اپنی فطرتی رحیم الطبعی کے سبب سے۔ کیونکہ ہمارے
عمدہ قواعد سے اُس کا آگاہ ہونا ثابت نہین کیا جا سکتا۔ اُنھین قواعد کے مطابق تعلیم دینا شروع
کیا۔ دونون بچے گھر مین اُس کے شاگرد رہتے تھے اور باہر مانند دوستون کے۔ ہر روز وہ ہوا
خوری مین اُس کے ساتھ اتفاقی مشغلون مین اُس کے شریک ہوتے تھے۔ بڑے شوق سے اُس کے
لیئے پودے تلاش کرتے تھے اور اُن کی نسبت اُس کے عمل کو دیکھتے جاتے تھے۔ اس طریق پر
وہ ہمیشہ اُس کی خوشی اور ہدایت حاصل کرتے رہتے تھے۔ اخلاقی نظر سے اگر دیکھا کہا جاے تو

یہ صحیح ہوگا کہ وہ بہ نسبت اُن کے ماں باپ کے بھی زیادہ رشتہ والدیت کا اُن سے رکھتا تھا - ایک دفعہ اُس نے اپنے اس طریق کے نتائج بیان کرتے ہوے بہت سی مثالوں میں ایک یہ مثال بھی بیان کی کہ " ایک شام کو مجھے کسی چیز کی ضرورت تھی جو دوسرے کمرے میں رکھی تھی بھانجے کو میں نے اُس کے لے آنے کو کہا۔ لڑکا اُس وقت کسی کام میں ایسا مصروف بیٹھا ہوا تھا کہ خلاف عادت اُس نے اُس کے لانے میں تامل کیا - یا شاید انکار کیا۔ میں ملامت کرنا چونکہ ناپسند کرتا تھا خود اُٹھ کھڑا ہوا اور کمرے سے وہ چیز اُٹھا لایا - اور اپنی صورت سے میں نے صرف وہ ناراضی ظاہر کی جو اُس کی حرکت سے مجھ کو ہوئی تھی - شام کے وقت جب کھیلنے کے لیے تیار ہوے تو میں نے متانت سے اُنھیں ساتھ لے جانے سے انکار کیا - اور اس سے بچہ کو جتلا دیا کہ اس کی حرکت سے میں کس قدر ناراض ہوگیا ہوں - دوسری صبح کو معمولی وقت پر دروازے پر مجھے ایک نئی آواز سنائی دی - جب میں نے دروازہ کھولا تو لڑکا گرم پانی لیئے ہوے اندر آیا کمرہ میں ادھر ادھر دیکھا کہ میرا کوئی کام کرنے کے لیئے مل جاے اور کہنے لگا کہ - آپ کو اپنے بوٹ چاہیے ہیں - یہ کہکر نیچے جھپٹ کر گیا اور بوٹ لے آیا - اسی طرح اور کئی حرکات سے لڑکے نے اپنی غلطی کی تلافی کرنے کی کوشش کی - اور غیر معمولی خدمات پیش کرنے سے ایک خدمت سے انکار کرنے کی تلافی کرنے میں مصروف رہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری دوستی کی کہاں تک قدر کرتا تھا "

" یہ شخص " وہ لکھتے ہیں کہ " اب خود بال بچوں کا باپ ہے - ویسا ہی اُن سے برتاؤ کرتا ہے اور کامل طور پر اس میں کامیابی حاصل کی ہے - شام کے وقت اور ہر اتوار کو جب وہ گھر میں ہوتا ہے وہ وقت بچوں کے عید کا دن ہوتا ہے - اس طرح اُن کے ساتھ محبت اور اعتبار قائم کرنے کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ اُس کی ذراسی کشیدگی یا ناراضی ایک بہت بڑا ذریعہ اُن کی اصلاح اور درستی کا ثابت ہوتا ہے - اگر کسی روز اُس کو گھر میں آکر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے نے شرارت کی تھی تو وہ اُس کی طرف وہ سرد مہری ظاہر کرتا ہے جو قدرۃً ایسی شکایت کے سننے سے پیدا ہوتی ہے یہ ایک سخت سزا اُس بچے کے لیئے ہوتی ہے جس قدر وہ اس سزا سے چلاتے اور روتے ہیں وہ جسمانی سزا سے کبھی پیدا نہیں ہوسکتا - وہ شخص بیان کرتا ہے کہ اس اخلاقی سزا

سے بچے اس قدر خائف رہتے ہین کہ میری عدم موجودگی مین وہ اکثر مان کے پاس آتے ہین۔ اور پوچھتے ہین کہ "ہم نے کوئی شرارت تو نہین کی۔ اور باپ سے تم کیا کیا بیان کروگی" وہ کچھ روز کا ذکر کرتے ہین کہ ایک دن بڑے لڑکے نے جو پانچ برس کی عمر کا ہے بچپن کے جوش حیوانیت مین آکر اپنی مان کے گھر نہ ہوتے کئی چیزین بگاڑ دین۔ چھوٹے بھائی کے بال کاٹ دیئے اور باپ کے ڈریسنگ کیس (کسوت) سے اُسترہ نکال کر اُس کو زخمی کر دیا۔ باپ نے گھر آکر جب اس کا حال سُنا تو اُس نے لڑکے سے بول چال چھوڑ دی۔ وہ رات اور دوسری صبح تک نہ بولا۔ اس پُر حکمت سزا نے لڑکے پر اس قدر اثر کیا کہ وہ صرف اپنی اس حرکت ہی سے تائب نہ ہوا بلکہ اگلے روز جب اُس کی مان کہین جانے لگی تو لڑکے نے بمنت اُس کو کہا کہ "امان باہر مت جاؤ" اور پوچھنے پر سبب اس کا یہ بیان کیا کہ "تمھاری غیر حاضری مین شاید مجھ سے کوئی بے جا حرکت ہو جاے"

ہم نے اس سوال کا جواب دینے سے پیشتر کہ "لڑکون کی بڑی غلطیون کا کیا علاج کیا جانا چاہیئے" یہ واقعات اس غرض سے بیان کیئے ہین کہ اول ہم یہ ظاہر کر دین کہ والدین اور بچون کے درمیان کس قسم کا سلوک اور رشتہ قائم ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ان بڑی غلطیون کا سلوک صرف اس رشتہ کی حالت پر منحصر ہے اور ابھی ہم بطور تمہید کے یہ امر ظاہر کرین گے کہ یہ رشتہ صرف اُس دستور کے اختیار کرنے سے قائم ہو سکتا ہے جس کے ہم جانب دار ہین۔ ان گذشتہ واقعات سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ اگر بچے کو اپنے افعال کا نتیجہ برداشت کرنے پر چھوڑ دیا جاے تو والدین اس سے مخالفت سے بچتے ہین اور دشمن خیال کیئے جانے سے محفوظ رہتے ہین۔ اب یہ ظاہر کرنا باقی ہے کہ جہان ابتدا سے یہ طریقہ برتا جاے وہان والدین اور بچون کے درمیان ایک عیان اور صادق محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

موجودہ صورت مین بچے اپنے والدین کو دوست نما دشمن یا دشمن نما دوست خیال کرتے ہین اور یہ نتیجہ اُس سلوک کا ہوتا ہے جو بچون سے برتا جاتا ہے جس مین رشوت اور دھمکی پچکارنا اور کوسنا۔ نرمی اور سختی محبت اور زد و کوب شامل ہوتی ہے۔ اس سے ضرور ہے کہ غیر معین اور مخالف یقین ان کے والدین کے انداز کی نسبت قائم ہو جاے۔ ایک ان ... چھوٹے بچے کو یہ بتا دینا کافی خیال کرتی ہے کہ وہ اُس کی سب سے زیادہ خیر خواہ اور دوست ہے اور دل مین ان ملتی

ہے کہ بچہ اس پر ضرور یقین کرے گا۔ یہ کلمات ہیں جو عموماً اُس کی زبان پر رہتے ہیں۔ "جو کچھ میں کرتی ہوں تمھاری بہتری کے لیے کرتی ہوں" "میں تم سے بہتر جانتی ہوں کہ تم کو کیا چاہیے ہے" "ابھی تم چھوٹے ہو ان باتوں کو نہیں سمجھتے جب بڑے ہوئے تو میرا احسان مانو گے" زبان پر یہ کلمات ہیں اور ہاتھ میں لکڑی ہے جو ہر ساعت اُس کو ان باتوں پر یقین کرنے سے منع کر رہی ہے۔ اس کے کان سنتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے میری بہتری کے لیے ہو رہا ہے۔ مگر غریب کا بدن ادھر اُدھر کو گھسیٹا جاتا ہے جس آیندہ بہتری کا اس کو یقین دلایا جا رہا ہے اُس کے سمجھ لینے کے لیے وہ ناقابل ہوتا ہے۔ موجودہ سلوک سے جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اُسی سے وہ دیکھتا ہے اور اسی نتیجہ کا وہ قائل ہو جاتا ہے۔ اس کے سوا کسی نتیجہ کی امید کرنا غلطی میں داخل ہے۔ تمام حالتیں بچے کو اس کی والدہ کے خلاف ثبوت دے رہی ہوتی ہیں۔ ایسی والدہ ہی سے پوچھنا چاہیے کہ اگر اس کا کوئی [illegible] اپنی خیر خواہی اس طرح پر ظاہر کرے کہ اُس کی خواہشیں [illegible] سے تیز ملامت کرے۔ دھمکیاں دے۔ اور گاہ بگاہ پیٹ دیا کرے تو کیا وہ اس خیر خواہی [illegible] گی؟ نہیں۔ تو پھر بچوں سے اس یقین کی کیوں امید کی جاتی ہے؟ شاید اس لیے کہ بچوں میں عقل کی موجودگی نہیں خیال کی جاتی یعنی بے وقوف ہوتے ہیں۔ تو ہم دانا ہیں جو ان کے عقلمند ہونے کی فکر کر رہے ہیں۔

اب غور کرنا چاہیے کہ اگر خلاف اس سلوک کے ہمارا قاعدہ برتا جاتا ہے تو نتیجہ کس قدر مختلف ہوتا۔ اگر ماں اس سزا کا عملی باعث بننا چھوڑ دے اور قدرتی سزاؤں کی طرف سے آگاہ کرتے رہنے سے دوستانہ سلوک کا برتاؤ کرے تو کس قدر فائدہ اس سے حاصل ہو۔ ایک مثال لو بہت سادہ اور سیدھی۔ فرض کرو کہ تجربہ کا شوق جو بچوں میں اس قدر زیادہ بڑھا ہوا اور نمودار ہوتا ہے اور ان کے استقرائی عمل تحقیق کو ثابت کر رہا ہوتا ہے بچہ کو تحریک کرتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کو شمع پر جلا دے اور جلتے ہوئے کاغذ کا تماشہ دیکھے۔ ایک معمولی بے سمجھ ماں اُس کو ایک ناقابل علاج شرارت خیال کرے گی اور اس خوف سے بھی کہ کہیں وہ خود نہ جل جائے حکماً اُس کو اس سے روکے گی۔ اگر وہ نہ مانے گا تو کاغذ اس کے ہاتھ سے چھین لے گی لیکن اگر بچہ کی خوش قسمتی سے کوئی فہمیدہ ماں ہوگی اور یہ جانتی ہوگی کہ کاغذ کو جلتے دیکھنا بچہ کا ایک فضول مشغلہ نہیں ہے بلکہ شوق

تحقیقات سے یہ پیدا ہو رہا ہے تو ضرور ان باتوں کا خیال کرے گی کہ "اس کے روک دینے سے اول تو کسی قدر علم کے حاصل کر لینے سے اُسے محروم کر دوں گی۔ یہ صحیح ہے کہ میں بچہ کو جلنے سے بچا لوں گی تو پھر کیا؟ یقینی ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن اپنے آپ کو جلائے گا۔ اور زندگی میں سلامتی کے لیئے یہ ضروری ہے کہ جلنے کی خاصیت وہ تجربہ سے سیکھے۔ اگر اب میں منع کر کے موجودہ خطرے سے بچاتی ہوں تو کسی دوسرے وقت جب کوئی پاس نہ ہوگا وہ اس سے بھی بڑے خطرے میں گرفتار ہوگا۔ اور اب میری موجودگی میں تو ایسا زیادہ نقصان اُس کو نہیں پہونچ سکتا۔ علاوہ ازیں روکنے سے میں اُسے ایک بے ضرر شوق پورا کرنے والے دلچسپ فائدہ بخش کام سے ہٹاتی ہوں جس کو وہ ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے گا۔ وہ اس درد سے ناواقف ہے جس سے میں اُس کو بچانا چاہتی ہوں۔ وہ اس دلچسپ خواہش کے پورا ہونے سے رک جانے کا درد محسوس کرے گا۔ اور اس درد کا باعث مجھے خیال کرے گا۔ پس سب سے عمدہ طریقہ میرے لیئے یہ ہے کہ اُس کو صرف خطرہ سے آگاہ کر دوں اور اُس کو کسی مضرت سے روکنے کے لیئے تیار رہوں" اور اس نتیجہ پر عمل کر کے وہ بچہ کو کہتی ہے کہ "مجھے خوف ہے کہ تم ایسا کرنے سے اپنے آپ کو ضرر پہونچاؤ گے" فرض کرو کہ بچہ ضد کرنے سے جیسا کہ وہ عموماً کرے گا آخر اپنے ہاتھ کو جلا لیتا ہے تو اس سے کیا نتائج پیدا ہوتے ہیں؟ اول تو اُس نے وہ تجربہ حاصل کر لیا جو ایک نہ ایک وقت اپنی سلامتی کے لیئے حاصل کرنا اُس کو ضروری تھا۔ دوسرے اُس کو یہ معلوم ہو گیا کہ اُس کی ماں کی ہدایت اُس کی خیریت کی غرض سے تھی۔ اس سے اُس کی فیاضی کا اُس کو یقین ہو گیا۔ اُس پر اعتماد کرنے۔ اُس کے انصاف اور مہربانی کا قائل ہونے اور اُس سے زیادہ محبت کرنے کی اُس کو وجہ حاصل ہو گئی۔

اب جب کہ ہم نے زیادہ محبت آمیز دستور جو والدین اور بچوں کے درمیان قائم ہونے چاہئیں ظاہر کر دیئے ہیں تو ہمارے اس سوال کا جواب چند الفاظ میں محیط ہو سکتا ہے۔ سب سے پہلے یہ قابل لحاظ ہے کہ اس دستور کے اختیار کرنے سے بچوں کے قصور کی تعداد بہ نسبت موجودہ قاعدے کے برتاؤ کی حالت کے بہت کم ہو جائے گی۔ بہت سے بچوں کا چلن خود اُس بدسلوکی اور بدانتظامی کا نتیجہ ہوتا ہے جس میں وہ رکھے جاتے ہیں جیسے بہری اور مخالفت کی

حالت جو جسمانی سزا کے بھگتنے سے پیدا ہوتی ہے وہ باہمی محبت اور موانست کو ضایع کر دیتی ہے جس سے بچے اُن تمام خراب حرکات کے مرتکب ہوتے ہین جو اس محبت کے عمل سے رکی جا سکتی تھین۔ وہ بدسلوکی جو ایک ہی کنبہ کے بچے ایک دوسرے سے کرتے ہین وہ زیادہ تر اُس سلوک کی نقل ہوتی ہے جو وہ اپنے والدین سے برداشت کرتے ہین۔ کچھ تو وہ براہ راست نقل ہوتی ہے اور کچھ اُس بدمزاجی کا نتیجہ ہوتا ہے جو بزرگون کی سختی کے برداشت کرنے سے اُن مین پیدا ہو جاتی ہے وہ عادات اور حرکات بچون کی جو اس سے بھی زیادہ مذموم ہوتی ہین مثلاً جھوٹ بولنا۔ چھوٹی چھوٹی چیزین چورانا۔ وہ بھی اس برتاو سے درست کی جا سکتی ہین۔ خانگی بے مہری اور بدسلوکی ہی ان خراب عادات کے پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے۔ فطرت انسانی کا ایک قانون ہے جو ہر ایک کشادہ نظر کو دکھائی دیتا ہے کہ جن کو اعلیٰ خواہشات کے پورا کرنے سے روکا جاتا ہے وہ کم درجے کی عادات پر گر جاتے ہین اور جو بیرونی محبت کی خوشی نہین حاصل کرتے وہ اندرونی خودغرضی سے کام لیتے ہین اور اسی سے ہے کہ والدین اور بچون کے درمیان محبت آمیز برتاؤ کا قایم ہونا اُن قصورون کی تعداد کو جن کا مخرج خودغرضی ہے کم کر دے گا۔ تو ان خرابیون کا کم پیدا ہونا نہایت آسانی اور کامیابی کے ساتھ صحیح قواعد کے برتنے اور ان سے فائدہ حاصل کرنے کا موقع دے گا۔

مگر وجہ ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین بچون کی اصلاح سے پہلے اپنی اصلاح کرین جن بچون کو بے مہری سے سلوک کیا جاتا ہے وہ خود بے مہر ہو جاتے ہین اور اُن سے ہمدردی برتنا اُن کو ہمدرد بناتا ہے۔ وحشیون کی اولاد وحشی ہوتی ہے اور بھلے مانسون کی بھلی مانس۔ بہ شرطیکہ اخلاقی اصلاح کے قواعد اُن مین ناپید نہ ہو جائین۔ خانگی گورنمنٹ کی حالت اس بارے مین بہت کچھ پولٹیکل گورنمنٹ سے مشابہ ہے کہ سزاؤن کے برتاؤ سے جرائم کی تعداد بڑھتی ہے اور برخلاف اس کے نرم سلوک سے جس قدر کمی اس قسم کی شکایات مین آ جاتی ہے اُس قدر میلان طبعی امور ممنوعہ کی جانب سے نفرت حاصل کرتا ہے۔ جان لاک کے بہت عرصہ ہوا جب یہ کہا تھا کہ "زیادہ سزائین کچھ فائدہ نہین پہونچا سکتین بلکہ تعلیم کو بہت کچھ نقصان پہونچاتی ہین۔

اور مجھ کو یقین ہے کہ ایسی حالت مین وہ بچے جو اکثر سختی سے سلوک کیے جاتے ہین شاذونادر اُن مین سے کوئی نیک نکلا ہوگا۔ اس کی تصدیق مین ہم ایک شہادت پنٹان ول کے قیدخانہ کے چیلین مسٹر ٹرا جرس کی درج کرتے ہین کہ "جو نوجوان قیدی ایک دفعہ جسمانی سزا دیے جاتے ہین اکثر وہی ہوتے ہین جو پھر قیدخانہ مین آتے ہین" برخلاف اس کے نرم سلوک کے عمدہ نتیجہ کی شہادت ایک فرانسیسی لیڈی کی زبان سے ہم بیان کرتے ہین کہ اس کے شوخ بچے جو کسی صورت سے گھر مین یا مدرسہ مین اپنی خراب حرکات سے باز نہین آتے تھے اور سب کا دم ناک مین کر رکھا کسی طرح علاج پذیر نہین ہوتے تھے۔ اُن کی نسبت خوف زدہ ہوکر آخر اُس نے ارادہ کیا کہ فرانس کی تعلیم کو چھوڑ کر انھین انگلستان مین پڑھنے کے لیے بھیجا جاے۔ اس عمل سے اُس کو ایک غیر متوقعہ کامیابی حاصل ہوئی کہ جب اُس کے بچے تعلیم پاکر وہان سے واپس آئے تو پورے درجے کے شریف اور نیک چلن تھے یہ نیک نتیجہ اس طرز تعلیم کی عمدگی سے حاصل ہوا جو انگلستان مین بمقابلہ فرانس کے مروج ہے۔

ایک شخص کہ سکتا ہے کہ سپنسر صاحب کے نہایت عمدہ قواعد صرف ایک ایسی جگہ کامیابی سے برتے جا سکتے ہین جہان کہ سوسائٹی کی حالت بہت ترقی یافتہ ہو۔ ہم اس کی تائید کرین گے۔ بچے جب کہ پیدا ہوتے ہین وہ کوئی پیدایشی اختلاف سوسائٹی کے حالات کی تاثیر سے نہین ظاہر کر سکتے۔ والدین مین سے والد کی حالت جلد تر قابل اصلاح ہے اور وہ بھی ایک عظیم کامیابی کا باعث ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا اثر بچون اور اُن کی والدہ دونون پر ڈال سکتا ہے۔ مگر ایک ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین بچون کی معقولیت پر اعتماد کرنا سیکھین۔ عام حالت جو دیکھنے مین آتی ہے وہ یہ ہے کہ بچون کو حیوان مطلق کے مانند خیال کیا جاتا ہے اور اس بات پر کوئی غور نہین کرتا کہ یہی بچے چند روز مین بچون کے والدین مین سے ایک ہون گے اگر بچے سے کوئی زیادہ معقول حرکت سرزد ہوتی ہے یا بچہ معمولی طور پر معقول باتین کرتا ہے تو اس کو حیرت اور تعجب کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور [illegible] سے محفوظ رکھے جانے کے قابل خیال کیا جاتا ہے۔ گویا نامعقولیت اُن کا ایک عام وصف ہے اور معقولیت خاص اور غیر معمولی حال آن کہ بے سمجھی اور کم فہمی کسی خاص عارضہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور عام طور پر بچے عقل سلیم رکھتے

ہین جس قدر واقعات پران کا تجربہ محیط ہوتا جاتا ہے وہ اُس کے نیک و بد مین بخوبی تمیز کر سکتے ہین۔ نفع و نقصان کو سمجھنے لگتے ہین۔ ابتدا مین ایک پُر وحشت مادہ اُن کے دماغ مین ہوتا ہے جو عقل حیوانی سے زیادہ تر مشابہ ہوتا ہے تعلیم و تربیت سے اُسی کی دُرستی اور اصلاح اور انسانی عقل مین مبدل کرنا مقصد ہوتا ہے۔ ہمارے بھائی اس بات کو سمجھین اور اس کا نیک برتاؤ کرین۔

اب مجھ کو بچون کی تعلیم اور اُن کے ایام تعلیم کے متعلق چند الفاظ لکھنے کو ہین۔ مکاتب کی تعلیم تو ایسی ناشایستہ اور بیہودہ تعلیم ہے کہ ہین کسی پہلو سے اُس کے ساتھ ہمدردی نہین کر سکتا جو لوگ کہ تیتر بٹیر وغیرہ جانورون کو پالتے ہین وہ اُن جانورون کے ساتھ بدرجہا افضل سلوک کرتے ہین بہ نسبت اُس سلوک کے جو مکاتب مین انسان کے بچون کے ساتھ کیا جاتا ہے خلاصہ اُس تعلیم کا یہ ہوتا ہے۔ دماغ کے لیئے لفظ جسم کے لیئے لکڑی۔ دل کے لیئے تباہی۔ اُس کی اصلاح کے درپے ہونا بھی شاید جنون سے کم نہ ہوگا۔ مذہبی تعلیم بھی انھین قواعد کے مطابق زیادہ کامیابی کے ساتھ دی جا سکتی ہے جو تعلیم معاد وغیرہ کے متعلق ہمارے مدارس مین مروج ہین۔ تو اس مقام پر مین مکاتب کے ذکر سے احتراز کرتا ہون اور صرف مدارس کی نسبت کچھ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہون۔ سب سے اول جو بات میرے اپنے خیالات کے خلاف مدارس مین موجود ہے وہ جسمانی سزا ہے۔ بعض لائق لوگون نے بچون کی جسمانی سزا کی تائید کی ہے مگر اُن کے اقوال کسی عمدہ مصلحت پر مبنی نہین معلوم ہوتے۔ کالرج صاحب نے جسمانی سزا کو اس لیئے پسند کیا ہے کہ جب اُن کو پادری کا پیشہ سیکھنے سے نفرت ہوگئی اور کفش دوزی سیکھنا چاہا تو ایک مذہبی پیشہ کے شخص اُن کو خوب زدوکوب کی جس سے کفش دوزی کا کام سیکھنے سے باز رہے۔ لیکن ہماری رائے مین طبعی میلان کو روک کر اس واقعہ مین ایک گناہ کیا گیا ہے اور مار کر دوسرا۔

لاک صاحب نے ایک ایسی مان کا ذکر کیا ہے جس نے اپنی نابالغ لڑکی کو آٹھ دفعہ سزا دی تھی اور یہ کہا کرتی تھی کہ اگر آٹھوین دفعہ سزا نہ دی گئی ہوتی تو لڑکی تباہ ہوگئی تھی۔ یہ واقعہ بھی کوئی اصول نسبت جسمانی سزا کے نہین قائم کر سکتا بلکہ اس اخلاقی تعلیم کے نقص کا مظہر ہے جو ابتدا مین ناجائز سلوک سے بچون کی طبیعت مین پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ابتدائی نقص کی

وجہ سے جسمانی سزا کا دینا ضروری معلوم ہو تو سزا ایسی دینا چاہیے جو مختصر اور اٹل ہو مانند نیچر کی سزاؤن کے جو صرف اپنے اٹل مزاج کی وجہ سے اطاعت پیدا کرنے اور مطیع بنا لینے کی قابلیت رکھتے ہین۔

جو سُلوک اُستادون کا ہمارے مدارس مین خدمت کر رہے ہین وہ عجیب قسم کی مایوسی پیدا کرنے والا ہے۔ وہ فرض تعلیم کو ایک معمولی بیگار کے مانند ادا کرتے ہین۔ اس سے بڑھ کر کوئی دل چسپی نہین لیتے۔ حال آن کہ بغیر محبت اور دلی توجہ اور شوق کے ساتھ تعلیم دینے کے بچون کے دل تعلیم و تربیت کے نقوش نہین قبول کرتے اور نتائج خام بے سود ہوتے ہین اکی طرف مائل ہو جاتے ہین۔ اُستادون کو چھوڑ کر خود والدین کو ایسی فکر نہین ہوتی جس کے ساتھ دل سوزی شامل ہو۔ ملک کے ذی رتبہ لوگ کبھی اس بات کا خیال نہین کرتے کہ ان کے ملک کی آیندہ عزت اور دولت اور ترقی او بہبودی انھین بچون کی تعلیم کی عمدگی پر منحصر ہے۔ جو باغبان نئے پودون کی حالت درست کرنے اور اُن کی کما حقہ حفاظت کرنے کی فکر نہین کرتا وہ نادان ہے اگر درخت ہو جانے کے وقت اُن کے نقص کی شکایت کرے۔

اخلاق کا جس قدر سرمایہ ہمارے پاس ہے خواہ وہ کتابون مین محفوظ ہے خواہ دل کے خزانون مین جہان سے نکال کر ہم بڑی آزادی کے ساتھ روزانہ صرف مین لاتے ہین نہایت مہمل بے معنی اور قابل مذمت ہے۔ نیکی کی ترغیب دینے اور بدی سے مخالفت کرنے کے لیے جو انعام اور سزائین ہم نے مقرر کی ہین وہ فرضی اور خیالی اور نہ نظر آنے والی ہین۔ اور ان مین اس قدر زور و تفریط سے کام لیا ہے کہ مؤثر ہونے کی حد سے گذر گئی ہین۔ ایک ادنی اخلاقی قصور کی سزا ستر ہزار برس دوزخ مین رہنا اور ہر ایک برس لاکھون مہینون کا اور ہر ایک مہینا کرورون دنون کا بتاتے ہین۔ اگر بچہ ان کو صحیح مان لے اور ڈرے تو بزدل ہو جائے اور اگر کچھ پرواہ نہ کرے تو جیسا کہ عموماً حال ہوتا ہے تو تمام اخلاقی بندشون سے آزاد ہو جائے۔ اسی طرح نیکی کی ترغیب کے لیے جن انعامون کی امید دلائی جاتی ہے وہ بھی فرضی اور خیالی ہوتے ہین۔ ان فرضی دھمکیون اور فرضی وعدون کی خوبی اور خرابی اور اُن کے مجوزون کی دوراندیشی پر کوئی بحث کرنا فضول ہے جب کہ ہم اس تعلیم کا نتیجہ شب و روز اپنے گرد وپیش دیکھ رہے ہین۔ سب سے زیادہ بدچلن۔

اوباش، رند۔ ذلیل۔ خوار۔ اور بے عزت کون ہیں؟ مسلمان مفلس۔ تباہ حال۔ بے کار۔ آوارہ گرد۔ اور بے نشان کون ہیں؟ مسلمان۔ چور۔ فاسق۔ فاجر۔ اور تمام شرمناک جرائم کے مرتکب کون ہوتے ہیں؟ مسلمان ہندوستان کے جیل خانے کس قوم سے بھرے ہوئے ہیں؟ مسلمانوں سے۔ تو اب کسی بحث کی ضرورت کیون رہ گئی ہے؟ رونے کو جگہ رہ گئی ہے۔ پس رومیں اپنی بدبختی پر اور اس تباہی اور شامت اعمال پر۔

کتاب الرحلت میں جس کو ابو العباس شیخ احمد آفندی نے لکھا ہے اور جس پر مولوی مہدی علی صاحب نے اپنا فاضلانہ ریویو تہذیب الاخلاق میں چھپوایا ہے۔ اہل یورپ اور اہل انگلستان کے بے شمار اخلاقی صفات میں سے بعض اوصاف بیان کیے ہیں اس کو میں ذیل میں دکھاتا ہوں وہ لکھتے ہیں کہ "صفحہ ۱۴۵ سے مولف نے عام اخلاق اور عادات اور ملنے جلنے کا طریق بیان کرنا شروع کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جب کوئی کسی سے بات چیت کرتا ہے تو نہایت نرمی سے کرتا ہے کچھ خشونت اس کی آواز میں نہیں پائی جاتی۔ اور عورتوں کی آواز میں تو خاص ایک قسم کی نرمی ہوتی ہے۔ اگر غیظ و غضب میں بھی کسی سے خطاب کریں تب بھی سوائے سر کہنے کے اور کچھ نہیں کہتیں خطوں میں بہت مختصر القاب و آداب استعمال کیے جاتے ہیں۔ تھوڑے ہی سے فرق سے مغایرت اور مساوات اور محبت اور یک جہتی کے درجے ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً عام القاب حضرت ہے اور جس سے کم شناسائی ہوئی سے ڈیر سر لکھتے ہیں۔ جس سے محبت ہوئی ہے مائی ڈیر سر۔ اور جس سے نہایت ہی یک جہتی ہوئی ہے مائی ڈیر سید احمد لکھتے ہیں۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ کسی سے جون پہچان ہو یا نہ ہو وہ القاب و آداب لکھتے ہیں کہ جن کا پڑھنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح ملنے کے وقت بھی کچھ زیادہ آؤ بھگت نہیں کرتے۔ اگر کسی سے ملاقات ہوئی تو معمولی باتیں کر کے اور اپنا مطلب ظاہر کر کے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر پہلی ملاقات بھی نہ ہو تو بھی ایسی خوشی سے ملتے ہیں کہ گویا دونوں میں نہایت درجے کی دوستی ہے۔ ملاقات کے وقت یہ امر خلاف ادب اور اخلاق کے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی بے ضرورت کسی کا نام اور نسب اور وطن اور مقصد کا سوال کرے اور یہ سب عمدہ عادتیں انگریزوں نے تعلیم اور تربیت کے ذریعے حاصل کی ہیں۔

"یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ اگر کوئی کسی سے ملنے آئے اور اُس کے پاس کوئی عورت بیٹھی ہو تو وہ کبھی نہیں پوچھتے کہ یہ کون ہے۔ برخلاف ہم لوگوں کے کہ اگر ایسا موقع ہو تو پہلا سوال یہی کریں گے کہ یہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ تم سے کیوں کر شناسائی ہوئی؟ یہ لوگ حاسد بھی نہیں ہوتے اور کسی کی امارت یا علم یا عزت پر حسد نہیں کرتے بل کہ اس پر فخر کرتے ہیں کہ کوئی شخص اُن کی قوم کا عالم یا امیر یا معزز ہو۔ برخلاف ہمارے شہروں کے کہ ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو حسد کی بیماری سے خالی ہو۔

"پھر یہ بھی عمدہ صفت اُن کی ہے کہ کسی کی عزت اور علم کو نہیں چھپاتے بل کہ اس کو ترقی دینے کی فکر کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی عزت اور علم اور فن کو بڑھائے اور اور لوگوں کو اس کی پیروی کرنے کی رغبت ہو۔ برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اگر کسی شخص نے تھوڑی سی عزت حاصل کی یا کسی علم وفن میں کمال پیدا کیا تو سب جل جاتے ہیں۔ کوئی اُسے دنیا دار، کوئی کم حوصلہ، کوئی خود غرض کہتا ہے۔ یہ بھی اُن کی عادت ہے کہ ایک دوسرے سے وحشیانہ برتاؤ نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ کوئی نوکر اپنے آقا پر لعنہ نہیں کرتا۔ نہ اُس کی برائیاں پیچھے بیان کرتا ہے۔ گو وہ کیسا ہی اُس سے ناراض ہو۔ برخلاف ہم لوگوں کے شہروں کے کہ کسی نوکر کو کوئی ایسا نہ پائیے گا جو اپنے ہی مالک کا شاکی نہ ہو اور اُس کی برائیاں نہ بکتا پھرے۔ وہ اپنے نوکروں بل کہ خدمت گاروں سے بھی تہذیب کی گفت گو کرتے ہیں اور سر کہہ کر بولتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر پانی مانگیں گے تو کہیں گے "سر میں امید کرتا ہوں آپ سے پانی لانے کی اگر آپ کو تکلیف نہ ہو" اور وہ بھی نہایت ادب سے سر جھکا کر تعمیل کرتا ہے اور خفگی اور گالی گلوچ کا تو کیا ذکر ہے۔ مگر کبھی آقا خدمت گار سے ہنسی کرتا ہے نہ بے ضرورت اُس سے بات کرتا ہے نہ اُسے منھ لگاتا ہے۔ برخلاف ہمارے امیروں کے کہ کبھی تو ایسے خفا ہوں گے کہ گالیاں دیں گے۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنا یار بنائیں گے۔

"اُن لوگوں میں عادت غمازی اور غیبت کی بھی نہیں ہے نہ باہم بیہودہ بک بک کرنے کی عادت رکھتے ہیں۔ برخلاف ہم لوگوں کے شہروں کے کہ جہاں چار آدمی بیٹھے ہوں تو ایسی قیل وقال کریں گے کہ معلوم ہوگا کہ جن بول رہے ہیں۔ پاک طینتی بھی ان لوگوں کا خمیر ہے اور

یہی سبب ہے کہ ایک دوسرے پر کچھ شک و شبہ نہیں کرتے جنانچہ ملکہ نے اپنی بیٹی یعنی شاہ زادی کے ہاتھ کا بنا ہوا رومال کسی فوجی افسر کو جب کہ وہ لڑائی مین مصروف تھا بھیجا کسی نے سوائے نیکی کے بُرا خیال نہ کیا۔ اگر ہمارے ملک مین کوئی امیرزادی کسی کو ایسا تحفہ بھیجتی تو طرح طرح کے خیال لوگون مین پیدا ہوتے اور مہینون اس کے چرچے رہتے۔

"عمدہ عادات سے اُن لوگون کی ایک یہ ہے کہ اپنے اوقات کے نہایت پابند ہوتے ہین ہر کام کے لیئے اُن کا ایک وقت ہے اور ہر ایک وقت کے لیئے ایک خاص کام ہے۔ یہان تک پابندی رکھتے ہین کہ اگر کوئی کسی سے بے وقت ملنے جاسے تو وہ نہایت نرمی سے کہہ دیتے ہین کہ آپ مجھے معاف فرمایئے مجھے اس وقت اور ضرورت ہے۔ اور وہ سننے والا واپس چلا جاتا ہے اور کچھ برا بھی نہین مانتا۔ برخلاف ہم لوگون کے کہ نہ کسی کام کا کوئی وقت ہے اور نہ کوئی وقت کسی بات کے لیئے مخصوص ہے۔ بے ہودہ فضول ملاقاتون مین تمام عمر گذر جاتی ہے اور ملاقاتی جنازہ تک بھی پیچھا نہین چھوڑتے۔

"انگریزون کی عادتون مین یہ بھی ہے کہ بہت مختصر اور ادب کے ساتھ اپنے مخاطب سے کلام کرتے ہین۔ مثلاً اگر کسی چھوٹے کو اپنے بڑے سے کچھ کہنا ہو تو یون کہتا ہے کہ "مین امید کرتا ہون کہ آپ مجھ پر میری فلان حاجت کے بر لانے سے احسان کرین گے۔ اور مین آپ کا شکر گذار ہون گا" اور اس مختصر با ادب اور انسانیت کی تقریر سے اُن کو وہ فضول اور لمبی چوڑی خوشامد کرنے کی حاجت نہین ہوتی جس کا رواج ہم لوگون مین ہے کہ جب کسی سے خطاب کرین گے تو کہین گے یا بدر الکمال یا بحر النوال وغیرہ وغیرہ جس تقریر کا خاتمہ چند ساعت تک بھی نہین ہوتا۔ پھر وہ بڑا جس سے چھوٹے نے اپنی حاجت عرض کی ہے بجواب اس کے یون کہتا ہے کہ "مین آپ کے کام کرانے مین کوشش کرون گا اور آپ کو جلد خبر دون گا" اور اس سے اُن کو اس کہنے کی حاجت نہین رہتی جو ہم لوگ کہتے ہین کہ "بسر و چشم آپ کا کام کر دون گا آپ اطمینان رکھین ضرور یہ کام کر دیا جاے گا" حالانکہ انگریزون مین سے جو کوئی کوشش کرنے کا بھی اقرار کرتا ہے وہ اس حالت مین جب کہ وہ کر سکے ورنہ صاف کہہ دیتا ہے کہ آپ مجھے معاف کیجیے۔ مین معذور ہون آپ کا کام مجھ [illegible] ور اگر وعدہ کیا ہو [illegible] سے زیادہ کوشش کرتا ہے جو اُن

کہا ہو۔ اور پھر فوراً اُس کے ہست و نیست کا جواب دیتا ہے۔ برخلاف ہمارے شہروں کے کہ اُس چیز کا وعدہ کرتے ہین کہ جس کو وہ خود جانتے ہین کہ ان کے اختیار سے خارج ہے اور پھر کبھی خیال نہین کرتے کہ اُس کے پورے کرنے مین کوشش کرین یا اُس بیچارے کو صاف جواب دین تا کہ وہ اپنی فکر کرے۔ مگر اس شخص کا کام تمام ہو جاتا ہے مگر اُن کا وعدہ تمام نہین ہوتا۔ یہان تک کہ ہم لوگون کے اصرار کی یہ عادت ہے کہ اُن سے اگر کوئی نوکری کا طالب ہو تو جواب دینا نہین جانتے فوراً یہ کہتے ہین کہ "یا حضرت آپ سے بڑھ کر لائق دوسرا شخص کون ہے۔ بلاشبہ مجھے آپ سے بڑھ کر کوئی دوسرا آدمی نہ ملے گا۔ لیکن آپ چند روز صبر کیجیے مجھے ایک ضرورت ہے وہ رفع ہو جائے پھر مین آپ کو نوکر رکھ لون گا" پس اس وعدے کی رسی مین باندھے رہتا ہے اور جب کبھی وہ متقاضی ہو تو کوئی حیلہ کر دیتا ہے یہان تک کہ آخر کو وہ محروم اپنی قسمت کو رو کر ہو ا پھر جاتا ہے مگر انگریز کبھی ایسی باتون کے پاس نہین پھٹکتے اور اسی لیئے اُن کی بے اعتباری نہین ہوتی۔

"انگریزون کی دیانت کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اپنی چیز سے زیادہ اُس کی حفاظت کرتا ہے اور یہ دیانت صرف مال و اسباب ہی مین نہین ہے بلکہ ہر چیز مین اُس کا اثر پایا جاتا ہے مثلاً کوئی کسی کا خط نہین کھولتا اور اگر کسی کے پاس سے خط اوے تو وہ مکتوب الیہ تک پہونچانے مین کوشش کرتا ہے یا ڈاک گھر واپس کر دیتا ہے۔

یہ ایک عمدہ عادت اُن کی ہے کہ اگر کسی کے ملنے کو کوئی جائے تو ہرگز کسی چیز یا کتاب یا خط یا کاغذ پر ہاتھ نہین بڑھاتا نہ اُسے دیکھتا ہے۔ برخلاف ہمارے شہرون کے جن کو خدا بچا رکھے کہ جب کسی سے ملنے کو جائین گے گو ملاقات بھی نہ ہو مگر پہلے ہاتھ اُس کے کاغذات اور کتاب کی طرف بڑھائین گے۔ اور بے پوچھے دیکھنے لگین گے یہان تک کہ جتنے اُس مجلس مین بیٹھے ہون گے خدا کی عنایت سے سب کے پاس ہاتھون ہاتھ وہ پہونچے گا اور ایک دوسرے سے چھینے گا اور اس کو بڑی بے تکلفی سمجھین گے۔ حالانکہ انگریزون مین کوئی ایسا کرے تو پھر کبھی اُس سے بات نہ کرین اور احمق سمجھ کر نکال دین۔

"یہ مولف اسی قسم کی اپنی ملک کی بدعادتون اور انگریزون کی عمدہ خصلتون کا مقابلہ کرتے کرتے

آخر کو نہایت درد وحسرت سے لکھتا ہے والی من المشتکی وابن النصیر فیالیت شعری نحن ولد آدم بشرا کہو لا ایشر ومتی تعرف الحقوق الواجبۃ لنا وعلینا الخ ال ان التمدن معناہ ان یکون الناس فی مدینۃ وفیھا ذیاب وسباع کلا ثم کلا ایجیوان اجتمع الخروف والذئب فی مرعی واحد لیوجب علی الیھود ان یومنوا بمجی المسیح - یعنی کس سے شکایت کی جاے اور کس سے مدد مانگی جاے کہ ہاے افسوس ہم بنی آدم کب انسان ہون گے مثل ان انسانون کے اور کب ہم پہونچا ہین گے اپنے حقوق کو اور غیرون کے حقوق کو - کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ تمدن کے یہ معنی ہین کہ آدمی ایسے شہر مین رہے جس مین بھیڑیے اور درندے ہون - ہرگز ہرگز نہین حق یہ ہے کہ بکریون اور بھیڑیون کا ایک جگہ اکٹھا ہونا واجب کرتا ہے یہود پر کہ وہ بھی مسیح کے آنے پر ایمان لائین -

بعد اس کے مولف نے لڑکون کی تعلیم تربیت کا حال لکھا ہے اور جس کشادہ پیشانی سے وہ لڑکون کو پالتے ہین اور ان کو خوش رکھتے ہین اور ان کے جذبات کی شگفتگی کے کھیل کھلاتے ہین اور آخر کو ان کو عمدہ تعلیم دیتے ہین اس کی تعریف کی ہے اور چھوٹے لڑکون کا پھول کی طرح خوب صورت ہونا اور ان کی خوش نما پوشاک کی جو دیکھنے والے کو نہایت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے تعریف کی ہے -

صفحہ ۱۵ مین مولف نے انگریزون کی وفاداری کا حال لکھا ہے اور اس محبت کا ذکر کیا ہے جو ان کو اپنے ملک سے ہے اور اس عزت و خودداری کی تعریف کی ہے جو ان کے مزاج مین ہے یہان تک کہ جو لوگ ان کو مغرور کہتے ہین ان کے کہنے کو غلط ٹھہرایا ہے اور یہ لکھا ہے کہ ان کی خودداری اور وقعت اور عزت جس کا خیال ہر بات مین وہ رکھتے ہین لوگون کو غرور معلوم ہوتا ہے ورنہ حقیقت مین وہ غرور کچھ نہین رکھتے بلکہ جب کسی کو ان سے محبت اور دوستی کرنا ہو چاہیے کہ وہ بھی اپنی آپ عزت کرے اور ان کے ساتھ خودداری سے پیش آوے اور ان پر یقین کرا دیوے کہ وہ ان سے کسی ذاتی غرض کے سبب سے نہین ملتا اور اپنی عادتون کی نسبت ان کو مطمئن کرا دیوے کہ وہ ایک جنٹلمین کی سی خصلتین رکھتا ہے تب اس کو ان سے دوستی اور محبت کا خیال کرنا چاہیے -

"فضول باتون کے پوچھنے سے اُن کو ایسی نفرت ہے کہ کبھی کوئی دوست کسی دوست کا مذہب اور اعتقاد نہین پوچھتا۔ برخلاف ہم لوگون کے کہ پہلا سوال مذہب اور اعتقاد ہی سے ہوتا ہے۔ پھر پوشش۔ آمدنی۔ خرچ کی۔ پھر خانگی حالات دریافت کیئے جاتے ہین اور دل کے بھید پوچھے جاتے ہین۔ پھر علم و فضل کی کیفیت دریافت کی جاتی ہے اور پھر یہان تک سوال کو طول ہوتا ہے کہ یہ پوچھنے لگتے ہین کہ آپ بُدھ کے دن انڈے کھاتے ہین یا نہین۔ غرض جو سوال ہوتا ہے وہ دوستی کے خلاف اور انسانیت کے مخالف ہے"

جو نتیجہ مین ان حالات سے نکالنا چاہتا ہون وہ یہ ہے کہ یہ فرشتہ مانند صفات جن کے مقابلہ مین ہم انسانی اوصاف سے بھی عمدا اور سب بہرہ ہین وہ کیونکر حاصل کرتے ہین۔ صرف اس طرح پر کہ اُن کی اخلاقی تعلیم اور اخلاقی تعلیم کے اسباب نہایت عمدہ اور تمام خوبیون سے آراستہ و پیراستہ ہین جس قدر اخلاقی مضامین اُن کی تعلیم کی کتابون مین درج ہین اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسے سیدھے اور سادے ہین تصنع سے خالی بناوٹ اور تکلف سے پاک۔ حکایت مین جہان کسی کے امر شنیع کے مرتکب ہونے کا بیان ہے وہان اُس کا سچا اور صحیح اور واقعی نتیجہ مثلاً والدین کی ناراضی اور ہیچ خلقت کی ناراضی اور اُس کو بے عزتی اور حقارت سے دیکھنا اور ایسے ہی امور ہین جو در حقیقت اصلی اور صحیح ہین ان کے پڑھنے سے بچون کے دلون پر اثر ہوتا ہے اور نیک عادات اُن مین پیدا اور قائم ہوتی ہین اسی طرح نیکی اور نیک کام کا نتیجہ صاف اور سیدھا بیان کیا گیا ہے۔ نہ اس مین مبالغہ سے کام لیا ہے اور نہ ہماری طرح بے تکی باتین کہی ہین کہ جب ہم چوری سے ایک بچہ کو ڈرانا اور باز رکھنا چاہتے ہین تو اُس کو یہ بتاتے ہین کہ جو شخص چوری کرتا ہے اُس کو قیامت کے دن ستر ہزار بچھو لپٹین گے۔ اگر چوری سے انکار کرے گا تو وہ چیزین خود بول اُٹھین گی اور شہادت دین گی۔ اور جب ایک کام کے انعام بیان کرتے ہین تو اس طرح کہ مثلاً ایک شخص ایک پیاسے کو ایک پانی کا پیالہ پلاے گا تو ستر ہزار حورین قیامت کے دن جام کوثر ہاتھ مین لیئے ہماری منتظر کھڑی ہون گی۔ ہم نے بُرے اور بھلے افعال کے واقعی نتایج کو بہت کم خیال کیا ہے کہ اُن کے ظاہر کرتے ہین اور اُنھین سے اپنی غرض حاصل کرنے مین ہم کو تامل ہوا ہے۔ ان فرضی اور بے سر و پا دھمکیون اور انعامون کے قائم کرنے کا سادہ دل یقین

کرنے والوں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ جہان وہ بدی کرکے اُس کی سزا سے بدرجہ غایت خوف زدہ ہوتے ہین وہان وہ اپنی ایک ادنی نیکی کو یاد کرکے اور اُس کے انعام پر تما کرکے خوش ہو جاتے ہین اور اُس بدی کا اُس نیکی کو کافی بدل خیال کر لیتے ہین جو نہ آیندہ بدی سے اُن کو ڈرا سکتا ہے اور نہ نیکی کی عمدہ ترغیب دلا سکتا ہے۔ برخلاف اس کے اہل یورپ کی اخلاقی تعلیم مین ہر ایک فعل کا اُس کی حیثیت کے واقعی اور واجبی نیک یا بدنتیجہ جس کو پیدا ہوتے ہر شخص دیکھتا ہے ظاہر کیا گیا ہے جو انسان کی عقل کے ساتھ مناسبت رکھنے کے باعث اُس کے دل سے رشتہ اور تعلق رکھتا ہے۔

جو مسائل کہ ہم دن رات بچون کو سکھاتے ہین یا خود ہمارے خیالات سے وہ سیکھتے ہین وہ بھی ایسے ہی اخلاق کو خراب کرنے والے اور نقصان رسان ہین مثلاً تقدیر اور قسمت کا مسئلہ۔ خدا جانے کس قدر بے اندازہ خرابی اور تباہی یہ مسئلہ ہماری قوم پر لے آیا ہے۔ ہر ایک شخص اپنے ابتر اور زبون حال کو خدا کی مرضی کی طرف منسوب کرتا ہے اور اپنا کوئی قصور نہین سمجھتا۔ اگر بھوکا ہے تو تقدیر سے۔ اگر جیل مین ہے تو تقدیر سے۔ اگر بیمار ہے تو تقدیر سے۔ اگر کسی اور مصیبت مین گرفتار ہے تو تقدیر سے۔ یعنی خدا کے کیئے سے اور اس مین اُس کا کچھ قصور نہین ہے اور تقدیر ایک ایسی شئے خیال کی گئی ہے جو علاج پذیر نہین ہے سوائے اس کے کہ جس خدا نے اس کو بنایا ہے وہی اُس کو پلٹ دے۔ یعنی اگر تقدیر سے خدا نے چوری کرائی ہے تو اب وہی قید خانہ کے تالے توڑ دے یا چھت کو پھاڑ دے کہ وہ قید خانہ سے نکل جاوے جو نہ اس سے پہلے ہوا ہے اور نہ اب ہوگا۔ مگر مسلمان نہ غور کرین گے اور نہ سمجھین گے کہ قسمت اور تقدیر کیا آفت ہے جو اُن پر آئی ہے۔ ایک فعل کو ہم اپنے ہاتھون سے کرتے ہین۔ ہمارا دل اُس کو تجویز کرتا ہے جب کر گذرتے ہین تو جو کچھ اُس کا نتیجہ پیدا ہوتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہمیشہ اور ہر شخص کے ہاتھون سے پیدا ہوتا ہے۔ اب اُس کا نام ہم قسمت رکھین یا تقدیر رکھین یا اور کچھ رکھین یہ ہمارے اختیار مین ہے۔ لیکن اُس کو خدا کے براہ راست دخل سے منسوب کرنا اور اپنی نیکی یا بدی اور غلطی کا قائل نہ ہونا اور خدا کا کیا سمجھ کر ہمیشہ اُس سے اتفاق ظاہر کرنا جو درحقیقت ایک مجبوری رضا ہوتی ہے یہ کس عقل کی بات ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ قسمت تقدیر کوئی چیز نہین ہے تو اُس کو قدرت الٰہی کا منکر قرار دیتے ہین اور جو دل اور زبان پر آوے اُس کی نسبت کہتے ہین اور یہ نہین سمجھتے

کہ خدا اگر قادر اور مالک تقدیر ہے تو مجوزہ قانون بھی ہے جس کے مطابق ہمارے افعال کے نتائج
پیدا ہوتے ہین اور کبھی ٹل نہین سکتے اور خدا اپنی قدرت کو اپنے ہی بنائے ہوے قانون کے
توڑنے مین کبھی صرف نہین کرتا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا ہماری زندگی کی تمام پیش آیند کو جانتا ہے
اور جانتا ہے کہ ہم دنیا مین کیا کیا کرین گے اور یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ وہ تمام اُس نے کہین لکھ رکھا
ہے اور اسی کے مطابق ہمارے اعمال ہون گے یعنی یہ بھی صحیح مان لو کہ

پیش آتی ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی مین ہے

مگر اس بات کی سند کوئی نہین دکھاتا کہ وہ نوشتہ کس روز خدا نے کسی کو دکھا دیا تھا اور بتا دیا
تھا کہ اس سے خلاف کرنے کی کوشش تمھاری فضول ہوگی۔ ہم خداوند تعالی کے عالم کل ہونے کی
صفت کو ان بُرے معنون مین استعمال کرتے ہین جس کی یہ سزا ہے جو ہم اور ہماری قوم بھگت
رہی ہے۔ ادھر تو ہم نے خدا کو اور اُس کی تقدیر کو اپنے تمام افعال کا محرک اور مجوز اور ذمہ وار
اور جواب دہ قرار دیا ہے اور اُدھر ہر ایک نیکی بدی کے لیئے بڑا انعام اور سزائین تجویز کر دی
ہین۔ یعنی پہلی صورت مین تو نہ ہم کسی نیک و بد کے ذمہ وار ہین اور نہ اس کے لیئے کسی بُری بھلی
جزا کے مستحق ہین اور دوسرے مین ایسے ہین تو معلوم نہین ان مین سے کون سا مسئلہ صحیح
ہے اور کون سا غلط۔ شاید پہلا صحیح ہوگا جس کی خوفناک سزائین صبح و شام ہم کو مصائب
مین گرفتار رکھتی ہین اور دن بدن تباہی ہم پر لیئے آتی ہین۔ مگر ہم نہین سمجھتے اور نہین باز
آتے۔

عام لوگون کو جس چیز نے عام لوگ اور ادبار زدہ بنایا ہے وہ ایسی ہی ہین مگر جو لوگ کہ ہمارے
زمانے کے دانا اور اہل دانش ہین وہ بھی احتیاط اور عقل سے کام نہین لیتے۔ انجمن حمایت اسلام
لاہور نے جس کے اہل ہمت ارباب کی مین قدر کرتا ہون اور اُن کی کوششون کو جو قومی بھلائی
کے لیئے ہین عزت کی نگاہون سے دیکھتا ہون بعض کتب اپنے مدارس اسلامی کے لیئے تیار
کرائی ہین جن مین سے ایک انگریزی پرائمر میری نظر سے گذری ہے اُس کے نوین سبق مین جب
مین نے یہ فقرہ پڑھا کہ It was in his fate to do
That

"اس کام کا کرنا اُس کی تقدیر مین تھا"

تو کس قدر رنج ہے جو مجھ کو نہین ہوا اور کس قدر افسوس ہے جو مجھ کو نہین آیا جب کہ صغر سن بچون کی تعلیم مین جن کے ساتھ ہم نے اپنی تمام امیدین وابستہ کی ہوئی ہین اب تک ایسے فقرات اور خیالات داخل ہین تو کب ہم کو اس شامت اور ذلت سے نجات پانے کی امید کرنا چاہیے کیا اچھا ہوتا اگر اس کی جگہ یہ فقرہ ہوتا لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

ہم سب جانتے ہین کہ جو ذلت ہمارے نصیب ہوئی ہے اُس کا قریبی اور سریع باعث ہماری قوم کا افلاس اور بے زری ہے اس کو ہم جانتے ہین اور مانتے ہین لیکن اگر ہماری زبان کسی وقت احمقانہ انکار بھی کرتی ہے تو ہمارے دل خوب جانتے ہین مگر اس پر ہماری تعلیم بچون کو یہ ہے کہ کہ دنیا مین دولت مند ہونا ایک نہایت قابل نفرت شئے ہے ہمارا فخر بھوکا اور ننگا مرنا ہے اور جس قدر تکالیف ہم یہان اُٹھاوینگے اُسی قدر آرام اور راحت اس کے بعد حاصل کرینگے جس قدر مفلس اور بے زر اور تباہ حال ہونگے اُسی قدر حساب کتاب کے جھگڑے سے بچین گے۔ سب جانتے ہین کہ مفلسی کا باعث بے کاری اور بدچلنی اور نالائقی ہوتا ہے تو اگر ہم مفلس رہنے کے لیئے ہین تو بھی لازمی ہے کہ بے کار بدچلن اور نالائق رہنے کے لیئے ہین۔ مگر مین اس پر لیون کوئی بحث کرون جب کہ خدا ہمارا لکھتا ہے کہ الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا۔

ایک ذخیرہ تو اخلاقی کتب کا وہ ہے جو بچون کی تعلیم کی غرض سے ہے اور جن مین اس قسم کے بے سر وپا مسائل درج ہین اور اُن کے پڑھ لینے کے بعد اخلاق کی تباہی پورے طور پر ہو جاتی ہے اور کچھ کمی باقی نہین رہتی۔ لیکن اگر کچھ رہ جاتی ہو تو اُس کے پورا کرنے اور کامل درجہ کا بدچلن بنا لینے کے لیئے ایک دوسرا ذخیرہ کتابون کا ہے جو گو داخل تعلیم نہ ہو مگر گھر دن مین ہر وقت موجود رہتی ہین۔ وہ وہ شہوانیہ اور ناپاک۔ لچر اور بے معنی قصہ اور وہ بے مغز اور زبون دیوان اور کتب اشعار ہین جو بچون کے اخلاق کے ساتھ وہ کام کرتے ہین جو قاتل زہر ایک جسم کے ساتھ کرتا ہے۔ اُن کے عیوب جس عمدگی کے ساتھ بیان ہو چکے ہین وہ سیر ہونے کچھ نہین چھوڑ گئے۔ اگر ہے تو صرف اتنا کہ خدا مسلمانون کو توفیق دے تو ان سب کو جمع

کرکے ایک طرف سے آگ لگا دی جاسے اور بچون کی حفاظت کی جاسے کہ آگ کا دھوان بھی اُن کے دماغون مین نہ جانے پاسے۔

اس باب کے ختم کرنے سے پہلے ہم کو ایک دوسری اہم ضرورت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ بچون کی ہرایک قسم کی تعلیم و تربیت کی نسبت جو کچھ بتایا گیا ہے وہ والدین مین سے درحقیقت مان کے واسطے ہے باپ کے واسطے نہین ہے یا بہت کم ہے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ ہمارے ملک کی مائین اس قابل بھی نہین ہین کہ جو امور اُن کے سچے اور نیچرل فرائض مین داخل ہین اُن کے ادا کرنے کے طریقے اور قواعد سمجھ سکین۔ بخوبی یاد رکھنا چاہیئے کہ جو فرائض قدرتی طور پر والدہ کے متعلق ہین اُن کے والد سے ادا کیئے جانے کی امید رکھنا ایک ایسی امید ہے کہ نر گاو سے مادہ کے بجاے دودھ حاصل کرنے کی توقع کی جاے۔ تمام خانگی کام والدہ سے متعلق ہوتا ہے اور بچون کی تعلیم و تربیت اور پرورش خانگی کام مین داخل ہے۔ اگر عورتون کو تعلیم دے کر قابلہ اور تعلیم دینے کے لائق بنایا جاے تو وہ اپنے بچون کی تعلیم و تربیت نہین کر سکتین۔ یہ ایک مسئلہ متنازعہ فیہ ہے کہ عورتون کی تعلیم کس درجہ کی ہونی چاہیئے۔ مگر ایک ادنی غور سے اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ہر ایک چیز کو ہم حسب مقدار اُس کی ضرورت کے تیار کرتے ہین۔ پس جس قدر ہماری ضروریات عورتون کی تعلیم سے ہین اُسی قدر تعلیم اُن کو دی جاسکتی ہے۔ سب سے بڑی دو ضرورتین ہین۔ بچون کی تعلیم اور تربیت اور انتظام خانہ داری کی قابلیت جس مین پہلی ضرورت دوسری پر مقدم ہے۔

جو لوگ بڑے پُرجوش دعوے کے ساتھ اس امر کے خواہان ہین کہ مردون اور عورتون کی تعلیم یکسان ہونی چاہیئے وہ اعتدال اور انصاف سے زیادہ گفت وگو اور دعوی کرنے کی غلطی کرتے ہین۔ جو اختلاف مرد اور عورت مین بہ لحاظ اُس قابلیت کے ہے جو اُن مین تعلیم کے حاصل کرنے کے متعلق ہے وہی اس کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ ڈاکٹر اسمائلس کی عمدہ راے ہے کہ "ایک کو دماغی قوت کی وجہ سے ترجیح ہے اور دوسری کو طبعی اوصاف کے سبب سے فوقیت ہے۔ اور گو دماغ کی بدولت حکومت کی جاتی ہے لیکن طبیعت سے اثر ڈالا جا سکتا ہے۔ پس مرد و عورت اپنے جداگانہ فرائض زندگی کی انجام دہی کے واسطے یکسان مقرر کیئے گئے ہین۔ لیکن جس طرح اس امر کی کوشش کرنی حماقت ہے کہ عورت کا کام مرد کے متعلق کیا جائے اسی

طرح یہ سعی بھی بالکل عبث ہے کہ مرد کا کام عورت کے سپرد کیا جاوے۔ بعض اوقات عورتون
مین مردون کے اوصاف پائے جاتے ہین اور مردون مین عورتون کی خاصیت ظاہر ہوتی ہے
لیکن یہ مستثنیات مین داخل ہے۔ اگرچہ مرد کے اوصاف کا زیادہ تر تعلق دماغ سے ہے اور عورتون
کا دل سے لیکن مرد کے دل کی تربیت بھی اسی قدر ضروری ہے جس قدر دماغ کی اور عورت کے دماغ
کی تربیت بھی ویسی ہی لازمی ہے جیسی دل کی"۔ الغرض جس قدر کہ عورتون کی تعلیم کی سخت ضرورت
ہے اُسی قدر اس امتیاز کا لحاظ کرنے کی بھی ضرورت ہے جو ان دونون کی تعلیم مین بوجہ ان کی
مختلف قابلیتون اور ضروریات کے ہونا چاہیے۔

سرسید احمد خان صاحب کی رائے تعلیم نسوان کی بابت بارہا نہایت اعتدال کے ساتھ ظاہر
ہوئی ہے اور کوئی نہین خیال کر سکتا کہ فاضل ممدوح کسی طرح تعلیم نسوان کو کم ضروری سمجھتے ہین
مگر نہایت افسوس ہے کہ اُن کی رائے سے جو اثر اُن کے ہم خیال لوگون کی طبیعت پر پیدا ہوا ہے
وہ نہایت اندیشہ ناک ہے۔ وہ تعلیم نسوان کی طرف متوجہ ہونے کے بجاے اُس سے غافل اور
بے پرواہ ہوگئے ہین۔ تعلیم نسوان کی ضرورت اور فوائد پر ہماری زبان مین بہت سے رسالے اور
مضامین لکھے جاچکے ہین جن مین شاید سب سے بہتر ہمارے ایک اسم بامسمی صادق دوست کا
رسالہ ہے جو بلا اظہار اسم مصنف چھاپا گیا ہے۔ ہم کسی ایسی طویل بحث کو اپنی کتاب مین جگہ نہین
دے سکتے۔ ایک فقرے مین بیان کیا جاسکتا ہے کہ عورتون کو جاہل رکھ کر بچون کی عمدہ تعلیم و تربیت
کی امید کرنا اس سے بھی بدتر ہے کہ ایک خمیدہ گرہ دار درخت سے صاف اور سیدھی لکڑی حاصل
کرنے کی توقع کی جاوے۔ ڈاکٹر اسمائلس کا قول خالص راستی پر مبنی ہے کہ "یہ قول کسی طرح مبالغہ
مین نہین داخل ہوسکتا کہ الم و مسرت۔ جہالت و قابلیت۔ تہذیب و شائستگی صرف عورتون کی تعلیم پر
منحصر ہے"۔ امرسن کا مقولہ بہت ہے کہ تہذیب و شائستگی کا کافی پیمانہ عورتون کی تعلیم کا اثر ہے
کسی خاندان کا بچہ ہو وہ اپنی مان کی گود مین پیدا ہوتا ہے۔ پس اُس کی آیندہ زندگی تعلیم و تربیت
اُس کی تاثیر بخش معلمہ کی تمثیل پر منحصر ہے۔

"کسی دوسرے کی بہ نسبت عورتون کی تعلیم کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ لوازمات انسانیت
مین مرد مثل دماغ۔ قوت ممیزہ اور طاقت کے ہے لیکن عورت مثل طبیعت۔ قوت حاسہ۔ لطافت

تربیت اور تسکین کے ہے۔ اگرچہ مرد دماغ کو درست کرتا ہے لیکن عورت قوت مدرکہ کو ٹھیک کرتی ہے جو خاص کر چال چلن کے واسطے بہت ضروری ہے۔ مرد ذہن کو خیالات سے مملو کرتا ہے اور عورت دل پر اثر ڈالتی ہے۔ مرد جس چیز کا ہم کو یقین دلاتے ہین عورتین اُس کی محبت دل مین پیدا کرتی ہین اور آخرالامر خاص کر عورتین ہین جو ہم مین نیکی اور بھلائی کرنے کی قابلیت پیدا کرسکتی ہین جان رینڈلف مدبر امریکہ کہتا ہے کہ مین بالکل کافر ہو جاتا اگر مجھ کو اپنی مان کی ابتدائی تعلیم سے دین داری کا خیال نہ پیدا ہو جاتا۔ طرز معاشرت جس طرح شروع زندگی مین قائم ہو جاتا ہے ویسا ہی عمر بھر رہتا ہے سودی کا قول ہے کہ جب تک چاہو زندہ رہو لیکن زندگی کے پہلے بیس برس نتائج سے مالا مال ہین۔ اس سے اس عمر کی اصلی علّہ کی عمدہ تعلیم کی ضرورت ظاہر ہو جاتی ہے۔

نپولین بونا پارٹ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ بچون کی آیندہ زندگی کا دار و مدار بالکل اُن کی مان پر ہے۔ وہ اپنی نسبت لکھتا ہے کہ مجھ کو یہ انتہا سے ترقی محض مادری تعلیم کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ بڑے بڑے علما اور شعرا اور حکما مین سے بہت سے نام لیئے جا سکتے ہین جو اپنے اوصاف کے واسطے صرف اپنی مان کی لیاقت اور نیکی کے مشکور ہین اور نیز ایسے بھی جن کی تمام بزرگی اور فضیلت پر مابئرن کے مانند اُن کی مان کی طبائع کی تمثیل نے بدمزاجی کا دھبہ چھوڑ دیا ہے۔ عورتون کے واسطے اُن کی ضرورت اور قابلیت کے لحاظ سے نصاب تعلیم بنائے جا سکتے ہین۔

اخلاق کے ساتھ مذہبی مسائل کی صورت مین جو علم بچے حاصل کرتے ہین وہ بعض اوقات دماغ اور اخلاق کے واسطے زہر قاتل ثابت ہوتا ہے۔ مذہبی تعلیم بھی سادہ اخلاق سے زیادہ بچون کو کچھ نہین دینا چاہیئے۔ فلسفہ یونانیہ کے غلط اور بے بنیاد مسائل جو مذہبی روایات کی صورت مین ہمارے گھرون مین عام ہو گئے ہین اُن سے بچون کی حفاظت کرنی چاہیئے ورنہ وہ دماغی تربیت کے واسطے سخت مضر ثابت ہون گے۔ یا دین سے بداعتقادی پیدا کرین گے۔ تمام مذہبی مسائل تعلیم مین ایسے ہونے چاہئین جو سمجھنے کے لیئے سہل اور عقل انسانی کی قبولیت کے قابل ہون۔ مذہبی اعتقادات کو تیز کرنے کے لیئے جو کچھ جہالت کے

واسطے ضروری ہے اُس کو معقول تعلیم کے ساتھ کچھ مناسبت نہین ہے۔ ایک بچہ اگر اپنی مان
سے یہ سُنتا ہے کہ زمین کسی ایک چیز پر قائم ہے اور آسمان گھوم رہا اور آفتاب پھر رہا ہے۔ اور
مدرسہ مین زمین کو گول اور متحرک پڑھتا ہے تو ضرور ہے کہ ان دونون مین سے ایک کو صحیح
اور دوسرے کو غلط سمجھے۔ پہلے کو صحیح سمجھنے سے صریح طور پر اُس کا دماغ ایک معقول علم
مین ترقی کرنے سے محروم ہو جاے گا اور دوسرے کو راست جاننے سے وہ اپنے مذہب سے
بداعتقاد ہو جاے گا۔ کیون کہ پہلا مسئلہ مذہبی روایات کی صورت مین دکھلایا جاتا ہے۔

مذہبی تعلیم مین اور جس قدر امور کا لحاظ کرنا چاہیئے وہ بجاے اس کے کہ ہم اس مقام پر
اُس سے بحث کرین ہم اُس نصاب مین جو بچون کی تعلیم کے واسطے عن قریب لکھنا چاہتے
ہین مع ہدایات ضروری کے لکھ دین گے۔ اس کتاب کو اب ہم اس دعا پر ختم کردیتے ہین کہ
خداوند کریم ہم کو اپنے ارادون کے پورا کرنے اور قوم کو اپنی واقعی ضروریات کی طرف متوجہ
ہونے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔